Hindustani Academy
9-6-31

نگار

قواعد رسالہ "نگار"

۱ رسالہ ہر مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے شایع ہوتا ہے

۲ رسالہ نہ پہونچنے کی صورت میں بیس تاریخ تک دفتر کو اطلاع ہونی چاہیئے ورنہ رسالہ مفت نہ روانہ کیا جائیگا

۳ خط کتابت کے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیئے۔ جنپر نمبر خریداری نہیں ہوتا ایسے خطوط ضایع کردئے جاتے ہیں

۴ جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا ضروری ہے

۵ مضامین صاف اور خوشخط آنے چاہیے

۶ سالانہ قیمت پانچ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ۔ بیرون ہند سات روپیہ سالانہ پیشگی مقرر ہے

نرخنامہ اجرت اشتہارات

تعداد صفحہ	ایک صفحہ	نصف صفحہ	پاؤ صفحہ
بارہ مرتبہ	۱۰۰ روپیہ	۶۰ روپیہ	۴۰ روپیہ
چھ مرتبہ	۶۰ روپیہ	۳۵ روپیہ	۲۲ روپیہ
تین مرتبہ	۳۵ روپیہ	۲۰ روپیہ	۱۲ روپیہ
ایک مرتبہ	۱۲ روپیہ	۸ روپیہ	۵ روپیہ

(۱) اجرت ہر حال میں پیشگی آنا ضروری ہے۔ (۲) جو صاحبان تین ماہ سے زائد اشتہار دیں گے اُن کو بیس فیصدی کمیشن دیا جائیگا (۳) ہر ماہ اشتہار کے اندر دو مہینے قبل اطلاع دینے پر مضمون بدل سکتا ہے

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

نگارستان

(دوسرا ایڈیشن)

حضرت نیاز کے متعدد مضامین اور افسانے شامل کئے گئے ہیں نگارستان نے ملک میں جو درجہ قبولیت حاصل کیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل کئے گئے۔ قیمت ...

گہوارۂ تمدن

(دوسرا ایڈیشن) مولانا نیاز کی وہ معرکۃ الآرا کتاب جسمیں تاریخ اور اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ارتقاء تمدن میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا ہے اور دنیا سے تہذیب و شائستگی اسکی کس قدر ممنون ہے۔ اردو میں بالکل پہلی کتاب ہے۔ قیمت علاوہ محصول ...

شہاب کی سرگزشت

حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اصول پر لکھا گیا ہے۔ اس زبان کی اسکی تخیل اسکی نزاکت بیان اسکی بلندی مضمون اور اسکی انشاء عالیہ سحر حلال کے درجہ تک پہنچی ہے۔ قیمت علاوہ محصول ...

فراست الید

مولفہ نیاز فتحپوری جس کے مطالعہ سے ایک شخص آسانی سے ہاتھ کی شناخت اور اسکی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل، سیرت، عروج و زوال، موت و حیات، صحت، بیماری، شہرت و بدنامی وغیرہ کے متعلق صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ قیمت علاوہ محصول ...

شاعر کا انجام

جناب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حسن و عشق کی تمام نشاط بخش کیفیات اسکے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں۔ علاوہ محصول ۱؎

جذبات بھاشا

جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کیکے انکی ایسی تشریح کی ہے کہ دل پھڑک جاتا ہے۔ قیمت علاوہ محصول ۱۲؎

صحابیات

جسمیں عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات یکجا کر دیے گئے ہیں اسکا مقدمہ مولانا نیاز نے خاص اپنی شان میں لکھا ہے۔ قیمت علاوہ محصول ...

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ عبدالباری آسی جسمیں ۳۰۰ سے زائد اردو فارسی کی ظریف شاعروں کے حالات مع انکے لطائف و ظرائف و نمونہ کلام کے درج ہیں۔ قیمت ...

بسم اللہ

نگار

جلد (۱۹) فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۳۱ء شمارہ (۶)

ملاحظات ——— ۲
مطالعۂ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں (حق گو) ۹
تلاش سکون (محمد ذوالفقار کیفی) ۲۳
زبان اردو کی تنزل کے اسباب (قاضی خورشید احمد) ۳۱
ایثار (رئیس احمد جعفری) ۵۵
ریاض آپ اپنے آئینہ میں (ریاض خیرآبادی) ۶۰
میر کا بُکی (ذکاہات) ——— ۷۱
باب المراسلۃ والمناظرۃ ——— ۷۹
موج کوثر و تسنیم ——— ۸۵
بقیہ ملاحظات ——— ۸۸
حقیقت شاعر (نظم) علی اختر ۸۹
پرتو غیب (نظم) جوش ملیح آبادی ۹۱
تو (نظم) روش صدیقی ۹۴
رجز معنوی (غزل) امین حزیں ۹۴
غزلیات ——— ۹۵ تا ۹۶

نگار

اوڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد (۱۹) جون سنہ ۱۹۳۱ء شمارہ (۶)

ملاحظات

نگار کی گزشتہ دس سال کی تاریخ حیات میں شاید ہی کوئی زمانہ ایسا سخت آیا ہو، جیسا اب گزر رہا ہے۔ دنیا کی اقتصادی دشواریاں، جنھوں نے شاہ سے لے کر گدا تک سب کو یکساں طور پر مضطرب کر رکھا ہے، نگار کے سامنے بھی ہیں، اور میں پریشان ہوں کہ اگر ناظرین نگار نے احساس فرض شناسی سے کام نہ لیا تو تنہا مجھ سے کیا ہوگا۔ میں آپ سے سوائے اس کے کوئی اعانت نہیں چاہتا، کہ اپنے حلقۂ احباب میں زیادہ نہیں تو کم از کم ایک خریدار ضرور پیدا کیجئے۔ یہ صورت ایسی ہے کہ آپ پر اس کا کوئی بار بھی نہ ہوگا۔ اور نگار کی موجودہ مالی دشواریاں بڑی حد تک دور ہو جائیں گی۔

نگار اس نوع کی اپیل کرنے کا عادی نہیں ہے اور اس نے ہمیشہ اس قسم کی التجاؤں سے احتراز کیا۔ لیکن اب کہ ملک کی موجودہ تجارتی و اقتصادی دشواریاں ناقابل برداشت حد تک پہونچ چکی ہیں، میں مجبور ہوں کہ ناظرین کرام کو ان کے اس فرض کی طرف متوجہ کروں جس کے ادا کرنے کا یہی وقت ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اگر انھوں نے اسطرف توجہ نہ فرمائی تو میں کیونکر اس کشاکش کا مقابلہ کر سکوں گا۔

یہ رسالہ انیسویں جلد کا خاتم رسالہ ہے اور آئندہ ماہ سے بیسویں جلد کا آغاز ہوتا ہے۔

اکثر اور بعض کے درمیان ایک حصہ ناظرینِ نگار کا ایسا ہے جن کا چندہ اس ماہ کے رسالہ کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی خریداری کو بدستور جاری رکھیں، کیونکہ جولائی کے رسالہ میں فراست التحریر کا دوسرا حصّہ (جو انگریزی سواد خط سے متعلق ہے) تمام وکمال شائع کیا جائے گا۔ اردو فراست التحریر کا حصہ جنوری میں دیا جاچکا ہے اور اب جولائی میں دوسرا حصہ بھی شائع ہو رہا ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ نے خریداری کا سلسلہ بدستور قائم رکھا تو پوری کتاب آپکو مفت حاصل ہوجائیگی۔

وہ جدید حضرات جو جنوری کے بعد سے خریدار ہوئے ہیں اُن کے لئے یہ سہولت پیدا کی گئی ہے کہ جنوری میں جو حصہ فراست التحریر کا شائع ہوا ہے، وہ آٹھ آنے میں اُن کو فراہم کردیا جائے۔ سوائے اس کے فی الحال کوئی اور صورت اس مفید و دلچسپ کتاب کے حاصل کرنے کی نہیں ہے۔

نگار کے اول سال اشاعت میں طامس مور کی مشہور مثنوی لالہ رُخ کا ترجمہ بالاقساط شائع ہوچکا ہے۔ یہ ترجمہ ادیب شہیر جناب لطیف الدین احمد صاحب اکبرآبادی نے کیا تھا اور اس قدر مقبول ہوا تھا کہ اُسی زمانہ میں اسکو کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کرلیا گیا تھا۔ لیکن یہ ارادہ اسوقت تک تکمیل کو نہ پہونچ سکا تھا۔ اب یہ کتاب نہایت خوبصورت سائز میں دفتر نگار سے شائع کی جارہی ہے۔ اور غالباً ۲۲۵ صفحات پر محیط ہے۔

جنھوں نے انگریزی زبان میں اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسکو کسی اور زبان میں منتقل کرنا کس قدر دشوار امر تھا، لیکن جنھوں نے اسکے ترجمہ کو دیکھا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ اگر طامس مور لالہ رُخ لکھ سکتا تھا، تو اس کا ترجمہ بھی صرف لطیف ہی کرسکتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ نزاکت خیال، بلندی مفہوم پاکیزگی جذبات جوش بیان اور ندرت ادا اس سے زیادہ تکمیل کے ساتھ کہیں اور پائی جاسکتی ہے۔ اس مجموعہ میں چار فسانے (ابن مقنع۔ بہشت اور پری۔ آتش پرستاران فارس اور نور محل) فرامرز کی زبان سے شاہزادی لالہ رُخ کے سامنے بیان کرائے گئے ہیں۔ اور ہر فسانہ اپنی جگہ شاعری اور آرٹ کا ایسا بے مثل نمونہ ہے کہ انسان اُس کے مطالعہ کے بعد "کھو جانے" پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اسی کے ساتھ دارالاشاعت نگار نے ایک مجموعہ میرے اُن افسانوں کا بھی شائع کیا ہے جو ۲۵ء و ۲۶ء و ۲۷ء میں اس نظریہ کے ماتحت شائع ہوئے تھے کہ ہماری بعض سمجھی ہوئی "حقیقتیں" "نقاب اُٹھ جانیکے بعد" کیا نظر آتی ہیں۔ اگر جی چاہے تو اس کو بھی طلب فرماکر ایک نگاہ دیکھ لیجئے، ممکن ہے یہ سودا گراں نظر نہ آئے۔

جس زمانہ میں کانپور کا خونیں ہنگامہ رونما ہوا، میں حیدرآباد میں تھا اور اخباروں کے بیانات دیکھ کر سخت متردد تھا کہ دیکھئے یہ فرقہ وارانہ آویزش اس وقت جبکہ ہندوستان کو حصول آزادی کے لئے ایک متحدہ محاذ پیش کرنے کی ضرورت ہے کیا نتائج پیدا کرتی ہے۔ لیکن جب سب سے آخر میں ٹائمس آف انڈیا نے ایک انگریز کے چشم دید واقعات شائع کئے اور ہندوؤں کے ہاتھ سے مسلمان بچوں اور عورتوں کے سفاکانہ و بہیمانہ ذبح و قتل کے حالات معلوم ہوئے، تو میں رات بھر بے چین رہا اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے ایک شدید جذبہ نفرت و انتقام میرے اندر پیدا ہونے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے میں اس حقیقی مقصود کو بھی بھول گیا جو یقیناً اس نوع کے جذبات سے زیادہ بلند ہے۔

اس کے چند دن بعد جب میں لکھنؤ واپس آیا تو مختلف ذرائع سے واقعی حالات معلوم کرنے کی سعی کرتا رہا اور آخرکار خود بھی کانپور پہونچ کر اُن مقامات و مکانات کو دیکھا جنکی تباہیاں و بربادیاں ناصیہ انسانیت کا بدترین داغ کہی جاسکتی ہیں۔ میں وہاں مزدوری پیشہ جماعت سے لیکر حکمراں طبقہ کے افراد تک سب سے ملا اور آخرکار اس نتیجہ پر پہونچا کہ کانپور کی داستان خونیں شکل ہی سے کبھی پوری بیان کی جاسکتی ہے اور اس واقعہ نے ملک کی فضا کو جس قدر خراب کردیا ہے اُس کا مداوا آسان نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں نے قتل و ذبح میں کوئی حصہ نہیں لیا، یقیناً انھوں نے بھی کافی وحشت و درندگی کا ثبوت دیا، مکانوں کو جلایا، مندروں کو توڑا، انسانوں کو ہلاک کیا۔ لیکن معصوم بچوں اور بے دست و پا عورتوں کو انتہائی بیدردی کے ساتھ پارہ پارہ کرنے کا فخر صرف ہندوؤں ہی نے حاصل کیا۔ اور اگر اس ساری داستان میں کوئی ٹکڑا میرے لئے قابل مسرت ہے تو صرف اتنا ہی کہ مسلمانوں نے باوجود انتہائی غیظ و غضب کے کسی ایسی بہیمیت کا ثبوت پیش نہیں کیا جو اُن کی قدیم روایات اخلاق کے خلاف ہو۔ جس طرح بیشمار شہادتیں اس امر کی موجود ہیں کہ اگر کسی ہندو نے الحاح و زاری سے کام لیکر جانبری چاہی تو مسلمانوں نے اسے چھوڑ دیا یا کچھ روپیہ لے کر اسکو جانے دیا، اسی طرح متعدد ثبوت اس تلخ حقیقت کے بھی مل سکتے ہیں کہ ہندوؤں نے عورتوں کو پناہ دینے کے بہانہ سے اپنے گھروں میں بلا بلاکر، بچوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اُنکے سروں پر دست شفقت پھیر پھیر کر، ایسی بیدردی کے ساتھ انھیں ہلاک کیا کہ سخت سے سخت قلب انسانی بھی اس کو سننے کے بعد کانپ اُٹھنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ درندگی صرف شہر ہی تک محدود نہیں رہی، بلکہ بعض دیہات تک پہونچ گئی۔ جہاں عموماً مسلمانوں کی آبادی چند گھروں سے زیادہ نہیں ہوتی، اور یہاں بھی ہندوؤں نے اسی بے رحمی کے ساتھ اپنی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے بعض مسلمان خاندانوں کو بچوں سے لے کر بوڑھوں تک ذبح کرکے ہمیشہ کے لئے محو کردیا۔ یقیناً یہ جنگ تعلیم یا فتنۂ افراد کی نہ تھی، یہ بھی

یہ صحیح ہے کہ دونوں جماعتوں کے مہذب و شائستہ لوگ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہندوؤں کی طرف سے بہت سے برہمنوں اور پجاریوں نے بھی اس میں پورے جوش کے ساتھ حصہ لیا اور مسلمانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی شرافت حسب و نسب کا مدعی ہو۔ پھر کیا یہ امر قابل غور نہیں کہ ایک طرف کے شریف ترین افراد بھی ضعیفوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے میں دریغ نہیں کرتے اور دوسری طرف غیر شریف افراد بھی ایک پناہ چاہنے والے دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، خواہ وہ اُن کے کسی عزیز ہی کا خون بہا کر کیوں نہ آیا ہو۔ دنیا اس کو جس نگاہ سے چاہے دیکھے، لیکن میں اس میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک عجیب و غریب جھلک امید کی پاتا ہوں اور مسرور ہوں کہ ہنوز اُنکی وہ خصوصیت لطف و رافت جو ایک شجاع قوم میں پائی جانا چاہئے بدستور باقی ہے۔ پھر اگر آئندہ واقعی ہندوستان میں خانہ جنگی کی نوبت آئی (جسکا مجھے قوی اندیشہ ہے) اور اگر واقعی کسی جنگ میں حقیقی کامیابی اُسی فریق کو حاصل ہو سکتی ہے جو اپنی اخلاقی فتحمندی کو دنیا سے تسلیم کرا سکے، تو میں مسلمانوں کی قسمت کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں اور یقین کامل رکھتا ہوں کہ انکے مقابلہ میں کبھی وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی، جس کی بہادری کا انتہائی کارنامہ عورتوں، بچوں، اور ضعیفوں کو ذبح کر دینا ہو۔

کانپور کے اس دردناک ہنگامہ کی تفصیل فراموش کیجا سکتی ہے، مندروں اور مسجدوں کے واقعات انہدام بھلائے جا سکتے ہیں، آتش زنی اور غارتگری کے واقعات بھی دلوں سے محو ہو سکتے ہیں، لیکن ہندو قوم کی اس داستان شجاعت کو کبھی صفحۂ تاریخ سے نہیں مٹایا جا سکے گا کہ اس نے مسلمان عورتوں کو پناہ دینے کے بہانہ سے اپنے گھروں میں بلایا اور پھر مکان کے اندر بند کر کے ان کے بچوں کو انھیں کے سامنے ذبح کر کے انکو بھی انتہائی بیدردی و شقاوت کے ساتھ تڑپا تڑپا کر ہلاک کر ڈالا، حیران ہوں کہ اگر ایک انسانی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونیوالی جماعت اس نوع کی دناءت و رذالت، اس قسم کا ذلیل کمینہ پن اور اسی طرح کی وحشت و درندگی کا اظہار کر سکتی ہے تو ایک بھیڑیئے کی نسل سے پیدا ہونیوالے بچے اور کن خصوصیات کو لیکر پیدا ہوں گے اور دنیا ان دونوں کے درمیان کیونکر خط امتیاز کھینچ سکے گی۔

کانپور میں اس خونریزی کو حکومت نے کیوں جاری رہنے دیا، اس پر بحث کرنا بیکار ہے، کیونکہ دنیا اسکی حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہ جستجو کہ ہندو مسلمانوں میں زیادہ اتلاف جان کس فریق کا ہوا، اب کوئی معنی نہیں رکھتی، لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں ضرور توجہ کی مستحق ہیں ایک یہ کہ ہندوستان کی تمام ہندو جماعت نے اس واقعہ کو کس نگاہ سے دیکھا اور دوسرے یہ کہ اس ہنگامہ کے صحیح اسباب کیا تھے۔ امر اول کے متعلق مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوؤں نے تو ذبح و قتل میں بیدردی سے کام لیا ہی تھا، لیکن ہندوستان کے

اور ہندوؤں نے بھی اپنی خاموشی و سکوت سے کام لیکر کچھ کم شقاوت کا ثبوت نہیں دیا۔ میں نے کسی ہندو اخبار یا قائد و رہنما کو اس درندگی پر اظہار ملامت کرتے نہیں دیکھا بلکہ برخلاف اسکے جو بیانات اُدھر سے دئے گئے ہیں اور جو رائیں ظاہر کی گئی ہیں، ان میں حقیقت کو چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ٹھیک جس وقت کانپور میں یہ ہنگامہ برپا ہو رہا تھا۔ کانگریس میں تمام قائدین کا اجتماع ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھا، لیکن انمیں سے کسی نے اس واقعہ کی اہمیت پر اظہار خیال نہیں کیا اور اُن ہندو افراد کو کوئی سرزنش نہیں کی گئی۔ جنھوں نے اس کمینہ فطرت کا ثبوت دیا۔

اب رہا دوسرا امر جو اس فساد کے اسباب سے متعلق ہے، وہ کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے اور اس کا اصل سراغ معلوم کرنے کے لئے ہمکو اب سے ۲۳ سال قبل پہونچنا پڑے گا جب ۱۹۰۸ء میں مسلمانوں کے وفد کو جداگانہ انتخاب کی لعنت کا طوق مرحمت ہوا تھا۔ یہ حکومت کی اتنی زبردست چال تھی کہ نہ اُسوقت مسلمانوں نے اسکو سمجھا اور نہ اب سمجھنے کے لئے طیار ہیں۔ یوں تو بظاہر مسلمانوں کے لئے نہایت امید افزا بات معلوم ہوتی ہے کہ کونسلوں کی نیابت میں اُن کا انتخاب بالکل جداگانہ کر دیا گیا اور اُنکی آبادی کو اس طرح گویا مخصوص اہمیت دی گئی، لیکن یہ نہ دیکھا گیا کہ یہ رعایت حقیقتاً اسی قسم کی رعایت تھی جو ایک مریض کے لئے اس کو ایک مضر غذا کھانے کی اجازت دیکر روا رکھی جائے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلم جماعتوں میں آہستہ آہستہ باہم اختلاف پیدا ہونے لگا اور عصبیت و فرقہ داری مستحکم ہونے لگی۔ پھر چونکہ ہندوؤں کی جماعت یہاں زیادہ ہے اسلئے انکو زیادہ موقع ستانے کا ملا اور چند دنوں میں عام طور پر مسلمانوں کو ہندوؤں کی طرف سے عدم رواداری اور عصبیت و تشدد کی شکایت پیدا ہونے لگی۔ ۱۹۰۸ء سے قبل جب جداگانہ انتخاب کا وجود نہ تھا، نہ کبھی ناقوس و اذان پر جھگڑا ہوتا تھا نہ باجہ اور قربانی پر کبھی نزاع ہوتی تھی۔ کیونکہ ایک کے مفاد دوسرے سے متعلق تھے اور ہر فریق مجبور تھا کہ دوسرے فریق کے ساتھ صلح و آشتی سے کام لے۔

پھر چونکہ کانپور میں ہندوؤں کی جماعت تعداد و اقتصاد ہر لحاظ سے زیادہ قوی ہے، اس لئے یہاں کے مسلمانوں کو زیادہ تکلیفیں پہونچیں اور برابر ۲۳ سال تک وہ انکو برداشت کرتے رہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ابھی اور کتنے عرصہ تک ضبط سے کام لیتے رہتے، اگر اسی دوران میں تنظیم کانفرنس کی ملعون تحریک نے ان کے جذبات کو مشتعل نہ کر دیا ہوتا۔ فساد سے چند دن قبل کانپور کے گلی کوچوں میں اس کانفرنس کے جلوس مسلمانوں کی طرف سے نکالے جاتے تھے اور علانیہ "ہم کفر کی ہستی کو دنیا سے مٹا دینگے" کے نعرے بلند کئے جاتے تھے۔ پھر اس وقت کفر کی تاویلیں خواہ کوئی کچھ ہی کیوں نہ کرے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہندوستانمیں لفظ کفر کے

کے اصطلاحی معنے صرف "ہندویت" کے ہیں اور وہ جماعت جو اس نعرہ کو بلند کرتی تھی وہ یقیناً اس سے ہندوؤں کی جماعت کو مراد لیتی تھی۔ پھر چونکہ کلکتہ، بمبئی کے بعد کانپور ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں کارخانوں کے مزدور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ہندو مسلمانوں کے درمیان یہاں زیادہ ناگوار صورت اختلاف کی پیدا ہوگئی تھی اور وہی غیر ذمہ دارانہ جوش جو مزدوروں کی جماعت میں پیدا ہو سکتا ہے، یہاں دونوں جماعتوں میں کافی خطرناک حد تک پہونچ گیا تھا۔ ایک طرف یہ تمام آتش گیر مادہ جمع ہو چکا تھا کہ سوء اتفاق سے بھگت سنگھ کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا اور ہندوؤں میں ایک غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ جس وقت ہندوؤں نے بھگت سنگھ کی پھانسی کے خلاف مظاہرہ اور ہرتال کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کا ارادہ براہِ راست مسلمانوں پر حملہ کرنے کا نہیں تھا اور وہ صرف اس حد تک تشدد برتنا چاہتے تھے کہ ہرتال ہر نہج سے کامیاب ثابت ہو۔ چنانچہ وہ لوگوں کو سائکل سے اتارتے تھے، موٹروں کو روک دیتے تھے۔ ٹراموے کو چلنے سے باز رکھتے تھے، لیکن بعد کو جب یہ خیال عوام میں زیادہ وسعت کے ساتھ پھیلا تو فرطِ جوش میں مال روڈ پر انگریزی مال فروخت کرنے والوں کی دوکانوں پر پتھر پھینکے گئے اور بعض فرنگیوں پر حملے بھی کئے گئے۔ ٹھیک یہ وقت تھا کہ اگر مقامی حکومت عسکری قوت سے کام لیکر اس گروہ کو منتشر کر دیتی یا گرفتار کر لیتی تو فساد یہیں کا یہیں ختم ہو جاتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ایسا نہ کرنا محض اضطراب و بزدلی کا نتیجہ تھا یا کسی اور مصلحت کا، بہرحال سبب جو بھی ہو، عوام کے اس جوش کو بڑھنے دیا گیا۔ اور جب عین اسی عالم غیظ و غضب میں کسی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں پر حملہ کر دیا ہے تو ہندوؤں کا رُخ مال روڈ اور فرنگی آبادی کی طرف سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور آخر کار وہ آگ جو گزشتہ ۲۲ سال سے دبی ہوئی چلی آ رہی تھی دفعتاً بھڑک اٹھی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جداگانہ انتخاب ہندوستان کے لئے کیا برکتیں اپنے ساتھ لایا ہے اور وہ ایک انسان کو درندگی کی کس حد تک پہونچا سکتا ہے۔

اس کے بعد کانپور میں کیا ہوا اسکی تفصیل نہایت دردناک ہے، مختصراً یوں سمجھ لینا چاہئے کہ تین دن تک مسلسل وہاں سوائے وحشت و بربریت کے کسی کی حکومت نہ تھی اور ایک انسان دوسرے انسان کو اس طرح پھاڑ کھاتا رہا گویا جنگل سے بھیڑیوں کی جماعت شہر میں گھس آئی ہے اور سوائے خون پینے کے انھیں اور کوئی مشغلہ ہی نہیں ہے۔

پھر کس قدر حیرتناک امر ہے کہ بنارس میں ہندو مسلم فساد رونما ہوتا ہے، مرزاپور میں یہی آویزش نظر آتی ہے، اور پھر کانپور میں یہ محشر قائم ہوتا ہے، لیکن اب بھی ملک میں بعض ایسے صاحب فہم و تدبیر انسان موجود ہیں جو جداگانہ انتخاب کی حمایت میں آواز بلند کر رہے ہیں، اگر یہ لوگ ہمارے دوست ہیں

تو خدا ایسے دوستوں سے بچائے اور اگر دشمن ہیں تو خدا ہم پر رحم کرے کہ ہم یہ سب کچھ جان بوجھ کر اپنی قسمت کا فیصلہ ان کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔

لکھنؤ میں مسلمانوں کی نیشنلسٹ جماعت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ ہر لحاظ سے اس قدر مکمل اور اطمینان بخش ہے کہ کسی کو اختلاف ہونا ہی نہ چاہیئے۔ لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ جداگانہ انتخاب کی حمایت میں آواز بلند کر رہے ہیں جس کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ دیدہ و دانستہ مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے اس ریزولیوشن کے مطالبات ملاحظہ ہوں:۔

۱- نظام حکومت ملک کے اُن بنیادی و اصولی حقوق سے متعلق ہوگا جو تمام باشندگان ملک کی تہذیب زبان، رسم خط، پیشہ، فرائض مذہبی اور اقتصادی حالات پر حاوی ہو۔

۲- نظام حکومت میں پرسنل لا اور اساسی حقوق کی خاص دفعات کے ذریعہ سے موثر حفاظت کی جائے گی۔

۳- ملک کا آئندہ نظام حکومت وفاقی (فیڈرل) ہوگا۔

۴- جملہ ملازمتوں پر بہ لحاظ کم از کم معیار قابلیت اسطرح تقرر کیا جائے تاکہ اس سے کوئی فرقہ اپنے تناسب حقوق سے محروم نہ رہے اور ادنےٰ ملازمتوں میں کسی خاص جماعت کو اجارہ حاصل نہ ہو جائے۔

۵- سندھ ایک علیحدہ بنایا جائے۔

۶- صوبۂ سرحد و بلوچستان کا نظام حکومت دیگر صوبجات ہند کی طرح ہو۔

۷- مرکزی اور صوبجاتی مجالس مقننہ میں بہ لحاظ تناسب آبادی اقلیت کی نشستوں کی تعین کر دی جائے اور ان کو یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ مزید نشستوں کے لئے مقابلہ کر سکیں۔

۸- انتخاب مخلوط ہوگا اور ہر بالغ کو رائے دینے کا حق حاصل ہوگا۔

ان تمام دفعات پر غور کرنے کے بعد کون ایسا شخص ہے جو ان کی مخالفت کر سکتا ہے اور اس سے زیادہ تحفظ حقوق کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے۔

ماہ آئندہ میں ہم زیادہ تفصیل کے ساتھ ان تمام دلائل کو بیان کرینگے جو جداگانہ انتخاب کے حامیوں کی طرف سے بیان کیجاتی ہیں۔ اور ان پر تنقید کر کے بتائیں گے کہ وہ کس حد تک قابل قبول ہیں۔

ہمارے عزیز دوست اور ملک کے مشہور فسانہ نگار حضرت مجنوں گورکھپوری بی۔اے نے ایوان

(بقیہ ملاحظات صفحہ ۸۰ پر)

مطالعۂ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

۴- قتل مرتد

میرا دعویٰ ہے اور یہ دعویٰ مذاہب و تاریخ کا غائر مطالعہ کرنیکے بعد کر رہا ہوں کہ دنیا کے کسی قانون و شریعت نے مرتد یا مخالف مذہب کے لئے کوئی جگہ بجز قتل کے نہیں رکھی - یہ صرف قرآن تھا جس نے دنیائے مذہب میں سب سے پہلے مذہبی رواداری کا سبق سکھایا - اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے مذہب کا بالکل نیا نظریہ پیش کیا - یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ عبدالملک کے دربار میں یوحنا نحوی دمشقی اور ہارون رشید کے دربار میں الکندی اپنے مذہب کی حمایت میں مسلمانوں سے مناظرہ کرتے ہیں اور برملا مسلمانوں کے مذہب پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور ان کا بال تک بیکا نہیں ہوتا - اکثر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ارتداد اختیار کیا - جس میں سے ایک مثال عبداللہ بن جحش کی ہے جو حبش میں جا کر نصرانی ہو گئے تھے - مگر ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا - اگر قرآن کے بعد کسی قوم نے ان کی تقلید کی ہے تو وہ ہمارے ہندوستان کی برٹش گورنمنٹ ہے مگر وہ ایک سیاسی مصلحت کا نتیجہ ہے - نہ کسی مذہبی امر کے ماتحت - ورنہ خود انگلستان میں ابھی سو برس کی بات ہے کہ رومن کیتھولک مذہب پر سختی ہوتی تھی اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ایک شخص کو صرف اس قدر کہدینے پر کہ محمدؐ کی شریعت مسیح کے اقوال سے بہتر ہے - پھانسی کی سزا دی گئی - قرآن کی اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے جہاں جبروتی سلطنت سالہا سال کی ہے وہاں غیر مذاہب کی تعداد ضرورت سے زیادہ باقی رہ گئی ہے - صرف ہندوستان میں دیکھ لو اور اسی کے مقابل اسی ہندوستان میں پرتگال والوں کی کالونی "گوا" کا حال دیکھو کہ انھوں نے ایک ہندو کو بھی اپنی کمزور محدود سلطنت میں باقی نہ چھوڑا اور جس ہندو نے بپتسمہ لینے سے انکار کیا اس کو سمندر میں غرقابی کا بپتسمہ دیا گیا -

میں قرآن کی چند آیتیں جا بجا سے نقل کرونگا۔ جن سے قطعی ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کی رو سے ایک شخص اپنے مذہبی اعتقاد کے لئے صرف خدا کا مسئول و جواب دہ ہے اور کسی بندے کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ ایسے لوگوں کو ستائے یا عذاب دے۔ جبتک کہ وہ قوم میں فتنہ و شر کا باعث نہ ہو۔

۱۔ قل یاایھا الکفرون لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد لکم دینکم ولی دین۔

کہدو اے کفار ہم اسکی عبادت کرتے ہیں جسکی تم عبادت نہیں کرتے اور جسکی تم عبادت کرتے ہو ہم عبادت نہیں کرتے اور نہ جسکی عبادت ہم کیا کرتے ہیں اسکی عبادت تم کیا کرتے ہو۔ ہمارا دین ہمارے لئے ہے اور تمہارا دین تمہارے لئے۔

۲۔ لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم وکان اللہ سمیعًا علیما۔

ان تبدوا خیرا او تخفوہ او تعفوا عن سوء فان اللہ کان عفوا قدیرا۔ (۴ — ۱۴۸ و ۱۴۹)

۲۔ اللہ تعالےٰ اسکو پسند نہیں کرتا کہ لوگ بری باتیں کی جائیں۔ مگر وہ لوگ معذور ہیں جن کا دل دکھایا گیا ہو اور اللہ تعالےٰ سننے والا اور جاننے والا ہے اگر تم کوئی نیک کام ظاہر طور سے یا چھپا کر کردیا اور کسی کے قصور کے معاف کردو تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔

۳۔ یاایھا الذین اٰمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا۔ فینبئکم بما کنتم تعملون۔ (۵ - ۱۰۵)

۳۔ اے ایمان لانیوالو۔ تم اپنی خبر لو۔ دوسرونکا بھٹکنا تم کو نقصان نہ پہونچائیگا اگر تم راہ راست پر ہو اور تم سبھوں کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اسوقت جو جو تمہارے اعمال ہونگے تمکو بتا دئے جائینگے۔

۴۔ ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ما علیک من حسابھم من شیء وما من حسابک علیھم من شیئًا۔ فتطردھم فتکون من الظالمین۔ (۶ - ۵۲)

۴۔ اور جو لوگ صبح و شام خدا کی عبادت اپنے طور پر کرتے ہیں اور جس سے انکی غرض خدا کی خوشنودی ہو انکی سرزنش نہ کرو۔ انکے اعمال کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے اور نہ تمہارے اعمال کی ذمہ داری ان پر ہے اگر تم انکی سرزنش کروگے تو تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

۵۔ وما علی الذین یتقون من حسابھم من شیء ولکن ذکریٰ لعلھم یتقون۔

وذر الذین اتخذوا دینھم لعبا ولھوا وغرتھم الحیٰوۃ الدنیا وذکر بہ ان تبسل نفس بما کسبت لیس لھا من دون اللہ ولی ولا شفیع وان تعدل کل عدل لا یؤخذ منھا اولٰئک الذین ابسلوا بما کسبوا لھم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون۔ (۶ - ۶۹ و ۷۰)

۵۔ اور انکے برے کاموں کی ذمہ داری ان پر نہ ہوگی جو نیک ہیں لیکن انکو نصیحت کرنا چاہیئے۔ شاید وہ اپنی برائی سے باز آجاویں۔ اور جن لوگوں نے اپنے مذہب کو ایک کھیل بنا رکھا ہو اور جنکو دنیاوی زندگی نے مغرور کر دیا ہے۔ انکو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ ہاں انکو سمجھاؤ ایسا نہ ہو کہ ان کے برے اعمال انکی بربادی کا سبب ہوں۔ کیونکہ سوائے خدا کے انکا کوئی شفیع و وکیل نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے تباہ ہونگے ان کو گرم پانی پینا پڑیگا۔ اور اپنے بے ایمانی کیوجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہونگے۔

۶- قل یا قوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار انه لا یفلح الظالمون (۶-۱۳۶)

کہہ دو اے قوم تم اپنے مقدور بھر کام کرو اور ہم اپنے مقدور بھر کام کرتے ہیں۔ تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں کس کا ٹھکانا اچھا ہے۔ یقیناً ظالموں کے لئے کوئی فلاح نہیں ہے۔

۷- ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصابرین واصبر وما صبرک الا بالله ولا تحزن علیهم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان الله مع الذین اتقوا والذین هم محسنون۔ (۱۶- ۱۲۵/۱۲۸)

۷- اور خدا کی راہ کی طرف لوگوں کو معقول باتوں اور میٹھی نصیحتوں سے بلاؤ۔ اور مناظرہ کرنے میں بہترین روش اختیار کرو۔ یہ تو خدا کو معلوم ہے کون گمراہ ہے اور کون راہ راست پر ہے۔ اگر تم برائیوں کا بدلہ لو تو اسی قدر جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کا پھل اچھا ہے۔ اور صبر کرو۔ کیونکہ تمہارا صبر خدا کے واسطے ہے اور ان پر افسوس نہ کرو۔ اور ان کے مکروں سے پریشان نہ ہو یقیناً اللہ انکے ساتھ ہے جو برائیوں سے بچتے ہیں اور نیکی کرتے ہیں۔

۸- ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن الا الذین ظلموا منهم وقولوا آمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والهنا والهکم واحد ونحن له مسلمون۔ (۲۹-۲۶)

۸- اور اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو البتہ پسندیدہ طور پر اور ان سے جو زیادتی کریں۔ اور کہو کہ ہم تو اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر اترا ہے اور جو تم پر اترا ہے اور ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم تو مسلمان ہیں۔

۹- لا اکراه فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقی لا انفصام لها والله سمیع علیم۔ (۲-۲۵۶)

۹- اور دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ البتہ راہ راست کج سے ظاہر ہو گئی پس جس نے شیطان سے انحراف کیا اور خدا پر ایمان لایا اس نے فی الحقیقت مضبوط گرفت کی جو ٹوٹنے والی نہیں۔ اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

شاید معترض اس پر یہ کہے کہ غیر مذہب والوں سے رواداری اور بات ہے اور مرتد کی صورت اور ہے۔ اس کا بھی قرآن سے جواب مل سکتا ہے۔ مدینہ میں بعض یہودی اپنے خبث باطنی سے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے یہ کیا کرتے تھے کہ جھوٹ موٹ مسلمان بن جاتے تھے۔ اور تھوڑے دن کے بعد مرتد ہو جاتے تھے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب اسلام مدینہ میں با قوت و صاحب سیاست تھا۔ کیا کسی ایسے یہودی کو مرتد ہونے کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ اور وہ منافقین کون تھے جو منہ پر کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور پیٹھ پیچھے پیغمبر اور اسلام کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ کیا کوئی منافق اس پاداش میں قتل کیا گیا۔ یاد رہے کہ منافقوں کی جماعت مکہ میں نہ تھی بلکہ مدینہ میں تھی۔ رسول اللہ صلعم ان کے نام اور ان کی حرکتوں کو جانتے تھے لیکن قرآن نے صرف اس قدر کیا کہ سرگروہ منافق پر جب رسول اللہ صلعم

نے نماز پڑھی تو قرآن نے اس رافتِ بیجا کو پسند نہیں کیا۔ زرقانی نے موطا کی شرح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں عیسائی یا یہودی جب مسلمان ہو کر مرتد ہو جاتا تھا تو قتل کیا جاتا تھا۔ لیکن بالکل بے سند اور خلاف واقعہ ہے۔ نہ کوئی مرتد ہوا اور نہ قتل ہوا۔

مگر افسوس کس قدر عبرتناک امر ہے کہ قرآن کے اس طرۂ افتخار کو جو قیامت تک مخالفین کے دلوں میں بھی رشک و حسد کی آگ بھڑکاتا رہے گا حدیث نے چھین لیا۔ اور ابن عباس کے ایک غیر ذمہ دارانہ قول نے قتل مرتد کی ایک بدعت پیدا کر دی کہ کتنی جانیں اس خطرناک قول کے صدقے فنا ہوئیں۔ کتنے لوگ اسلام ہی سے بدظن ہو گئے۔ کتنوں نے اس کی آڑ میں اپنے دشمنوں کو راستے سے ہٹایا اور یہ واقعہ ہے کہ ممالک اسلامیہ کی موجودہ پستی کی ذمہ داری صرف اسی ایک مسئلے پر ہے۔ اگر ایک مجہول حدیث نے کچھ کمی چھوڑی تھی تو اسکی تکمیل فقہ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ افغانستان میں ایک مسلمان پر ارتداد کا اتہام لگایا جاتا ہے۔ اور کابل کا قاضی اس پر پہلا پتھر چلاتا ہے۔ لیکن خدائی انتقام کو دیکھو کہ اس کے چند دنوں کے بعد وہ قاضی اور وہ بادشاہ دونوں صفحۂ ہستی و تاریخ سے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ واقعہ ۱۹۲۶ء کا ہے۔ جبکہ دنیا وحشت و جہالت سے دور ہو چکی ہے۔ ۱۸۴۳ء میں جب ٹرکی پر افغانستان کی سی جہالت کا سایہ تھا۔ وہاں بھی یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک ارمنی جو پہلے مسلمان ہو گیا تھا بعد کو پھر اپنے مذہب پر واپس ہو گیا۔ شیخ الاسلام نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا۔

سر اسٹریٹفورڈ ڈی ریڈکلف اس وقت انگریزی سلطنت کے سفیر ہیں۔ اُنھوں نے خود قرآن کا مطالعہ کروالا اور جب ان کو قتل مرتد کے جواز میں کوئی آیت نظر نہ آئی تو بڑے خوش ہو کر سلطان کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ یہ اصول اسلام کا نہیں ہے۔ سلطان کو یقین نہ آیا۔ شیخ الاسلام سے دریافت کیا گیا۔ اول تو انھوں نے بڑے شد و مد سے انکار کیا کہ قرآن کا حکم یہی ہے۔ لیکن جب ان پر اپنی غلطی ظاہر ہوئی تو کہا کہ قرآن مذہب اسلام کے لئے کافی نہیں۔ حدیث و فقہ بھی قرآن کا درجہ رکھتے ہیں۔ بالآخر ارمنی قتل کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روس۔ جرمنی۔ فرانس و انگلستان نے ٹرکی کو الٹی میٹم دیا کہ یا تو ایسا حکم منسوخ کیا جائے۔ ورنہ وہ اپنے دوستانہ تعلقات ختم کرتے ہیں۔ اس پر عرصے تک وزارت خارجیہ ترکی اور سفراء دول سے خط و کتابت رہی۔ وزیر اعظم ترکی نے جو خط وزیر خارجہ انگلستان کو اس مسئلہ کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کا اقتباس یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ا؎ EASTERN QUESTION

فرماتے ہیں:۔ "قرآن کے احکام کسی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کرتے۔ لیکن ایسے معاملے میں جب کہ مسلمان مرتد ہو جائے یا کوئی شخص علانیہ اسلام لاکر پھر مذہب کا انکار کرے تو قرآن کا حکم ایسے لوگوں کے قتل پر ناطق ہے۔ کوئی تاویل ایسے شخص کو موت سے بچا نہیں سکتی اور شریعت کے حکم کی تعمیل بلا کسی رحم کے عمل میں لائی جائیگی"۔

معلوم نہیں وزیراعظم کے پاس کون سا قرآن تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن اب تک ترکوں کے پاس ایک مقفل کتاب رہی ہے۔ باوجود اس کے بالآخر شریعت کا حکم سلطان عبدالمجید کے نومبر سنہ ۱۸۴۴ء کے ارادے سے منسوخ ہوا۔ اس لئے نہیں کہ وہ قرآن کا حکم نہ تھا۔ بلکہ یوروپ کے خوف سے۔ اس سے زیادہ اسلام کی توہین کیا ہو سکتی ہے۔ مگر سنہ ۱۸۷۵ء میں ایک ترک کو انجیل کے ترجمہ کرنے پر سزائے موت دی گئی تو یورپ میں پھر جوش وخروش یا بقول ہمارے (اخبارات کی اصطلاح کے) صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ اور بالآخر یہ طے پایا کہ جب تک ٹرکی کی سلطنت میں اس قسم کے وحشیانہ قوانین پر عملدرآمد ہے یوروپ کسی طرح اپنی رعیت کے حقوق کی ذمہ داری چھوڑ نہیں سکتا۔

سوال یہ ہے کہ ابن عباس کا یہ قول کہ "جو اپنا مذہب بدلے قتل کر دیا جائے"۔ واقعی رسول اللہ صلعم کا قول ہے۔ مجھے یہ حدیث ابن ماجہ میں ملی ہے۔ مسلم میں موجود نہیں۔ اور ابن ماجہ میں کثرت سے منکر وموضوع حدیثیں ہیں۔ اس کی چند مثالیں میں دوں گا۔

پہلی مثال:۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا افضل ہے دن کے روزہ رکھنے سے اور رات کو عبادت کرنے سے اپنے گھر میں ہزار برس تک۔ ایک برس میں تین سو ساٹھ دن اور ہر دن ہزار برس کے برابر"۔

(اس روایت کے اسناد میں ایک شخص سعید بن خالد ہے جو کذاب ہے)

دوسری مثال:۔ "داود بن مجلدن سے روایت ہے" میں نے طواف کیا ابو عقال کے ساتھ بارش میں جب ہم طواف کر چکے تو مقام ابراہیم کے پیچھے آئے۔ اوسوقت ابو عقال نے کہا میں نے انس بن مالک کے ساتھ طواف کیا۔ بارش میں جب ہم طواف کر چکے تو مقام ابراہیم میں آئے۔ وہاں دو رکعتیں پڑھیں انس نے ہم سے کہا اپنے عمل کا حساب اب نئے سرے سے سمجھو کیونکہ اگلے گناہ تمہارے بخش دئے گئے۔ اور ایسا ہی فرمایا ہم سے رسولخدا صلعم نے اور ہم نے ان کے ساتھ طواف کیا بارش میں۔

(یہ حدیث باوجودیکہ اس کا راوی ابو عقال جس کا اصلی نام ہلال بن زید ہے کذاب اور متروک ہے۔ عوام میں اس درجہ مشہور ہے کہ ہر حاجی جب وہ حجر اسود کا بوسہ لیکر گھر آتا ہے تو اپنے گناہوں کا کھاتہ

پھر سے لکھنا شروع کرتا ہے)

تیسری مثال :- "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کا مقصد رکھتا ہو وہ جلدی کرے۔ کیونکہ کبھی کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی چیز گم ہو جاتی ہے اور کبھی کوئی ضرورت پیش ہو جاتی ہے۔

(امام احمد کی سند میں یہ حدیث مرفوع ہے اور اسکی اسناد میں اسمٰعیل بن خلیفہ ابو اسرائیل کذاب ہے)

چوتھی مثال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کا مہینہ پاوے اور روزے رکھے اور رات کو عبادت کرے جتنی اس سے ہو سکے۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے ایک لاکھ رمضان کا ثواب لکھے گا اور ہر ایک روزے کے بدلے ایک بردہ آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور ہر ایک رات کے بدلے ایک بردہ آزاد کرنے کا۔ اور ہر ایک دن کے بدلے ایک گھوڑے کا ثواب ہوگا جو اللہ کی راہ میں سواری کے لئے دیا جاوے اور ہر دن کو ایک نیکی لکھی جاویگی اور ہر رات کو ایک نیکی۔

(اسکے اسناد میں عبدالرحیم اور انکے باپ زید دونوں متروک ہیں۔ ابن معین نے عبدالرحیم کو کاذب کہا ہے اور اس کے باپ کو ضعیف)

پانچویں مثال :- "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے وہ زمانہ جب کئی ملک تم فتح کروگے اور ایک شہر کو تم فتح کروگے جس کا نام قزوین ہوگا۔ جو شخص وہاں رباط کرے چالیس دن یا چالیس راتوں تک اس کو جنت میں ایک ستون ملے گا سونے کا اس پر سبز زمرد لگا ہوگا اور اس پر ایک قبہ ہوگا سرخ یاقوت کا۔ اس قبے میں ستر ہزار چوکھٹے ہوں گے سونے کے۔ ہر چوکھٹے پر ایک بی بی ہوگی حوروں میں سے جو بڑی آنکھ والیاں ہیں۔

(شوکانی نے کہا ہے۔ اس کے اسناد میں ایک داؤد بن حبیر ہے جو وضاع وکذاب ہے دوسرا ربیع بن صبیح ہے جو ضعیف ہے اور تیسرا ابن زیان متروک ہے۔ علماء نے اس قسم کی حدیثوں کی وجہ سے ابن ماجہ پر طعن کیا ہے اور ان کے سنن کو صحاح سے خارج سمجھا ہے۔ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے)

ایسے ہی ابن ماجہ کی بہت مشہور حدیث تھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور نالائق کو تعلیم دینا ایسا ہی ہے جیسے موتی اور سونے کا ہار سوروں کے گلے میں ڈالنا۔ وہ نووی کے نزدیک ضعیف ہے۔ گو ان کے شاگردوں کے نزدیک یہ حسن کے درجے تک بوجہ کثرت روایت کے پہنچ گئی ہے۔

لہٰذا ابن ماجہ ایک مشکوک کتاب ہے اور اس کے بعد جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یعنی ترمذی نسائی وابوداؤد وہ اس سے زیادہ مشکوک ہیں۔ کیونکہ حدیث میں اکثر ماقبل کتابوں کی روایت موخر کتابوں میں لیلی گئی ہیں۔ ابن ماجہ کی پہلی کتابوں میں یعنی مسلم و موطا میں یہ حدیث مجھکو نہیں ملی۔ بخاری میں البتہ اس کا ذکر ایک اور انداز سے ہے۔

" عکرمہ نے کہا حضرت علی کے سامنے کچھ منافقین (خوارج ؟) لائے گئے آپ نے ان کو زندہ جلانے کا حکم دیا۔ یہ خبر ابن عباس کو پہونچی تو انھوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو میں ان کو زندہ نہ جلواتا۔ اسلئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے عذاب کا سا عذاب مت دو۔ ہاں میں ان کو قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے دین کو بدلے اُس کو قتل کردو۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت علیؑ کا فعل خود خلاف سنت و قرآن نہ تھا۔ کیا ایسی کوئی مثال پائی جاتی ہے کہ کوئی منافق رسول اللہ صلعم کے وقت میں زندہ جلایا گیا ہو۔ لیکن حضرت علیؑ کا فعل بعض سیاسی مصلحت و حالت اضطرار کا نتیجہ رہا ہوگا۔ اور نہ ان کے قتل کی کوئی سند لیجا سکتی ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے انھوں نے یہ قول کب اور کس موقع پر سُنا۔

۲۔ اس وقت انکی عمر کیا تھی ؟

۳۔ اس کے سننے والے اور کون اصحاب تھے ؟

۴۔ اگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سُنا تھا تو کیا یہ ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔

۵۔ کیا ان کے اجتہاد پر کلام کیا گیا ہے۔

۶۔ مذہب بدلنے سے کیا مراد ہے۔ کیا اس فتوے میں مسلمان کا غیر مسلم ہونا مراد ہے یا عام طور سے جو مذہب بدلے قتل کر دیا جائے۔

۷۔ کیا قرآن سے قتل مرتد کا جواز مل سکتا ہے۔

۸۔ اگر قرآن اور سنت رسول سے اس کا جواز نہیں ملتا تو یہ اجتہاد کسطرح قابل اعتبار ہو۔

۹۔ فقہا کا اجتہاد کس حدیث پر مبنی ہے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں صرف ایک واقعہ ارتداد کا ملتا ہے اور وہ واقعہ عرینہ کا تھا۔ اس کا قصہ یوں ہے۔

(میں انس کی روایت صحیحین سے نقل کرتا ہوں۔

عرینہ کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آئے تو ان کو مدینہ کی ہوا موافق

نہ آئی۔ آپ نے فرمایا کاش تم ہمارے اونٹوں میں چلے جاؤ اور ان کا دودھ پیو اور موت پیو (یہ عربی محاورہ ہے اونٹوں کی خدمت کرنے کے لئے)، انھوں نے ایسا ہی کیا (اور جب وہ اچھے ہوگئے) تو مرتد ہو گئے اور آنحضرت صلعم کے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹوں کو بھی ہنکالے گئے۔ آپ نے ان کو پکڑنے کے لئے لوگوں کو بھیجا وہ لائے گئے۔ آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری۔ اور انکو جلتی زمین پر ڈال دیا۔

اس قصے کو کئی طریقہ سے بخاری و مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سب روایتوں کو سامنے رکھ کر یہ پتہ چلانا مشکل ہے کہ یہ لوگ آپ کے سامنے لائے گئے اور ان کو عذاب دیا گیا جو لوگ انکے تعاقب میں گئے تھے۔ انھوں نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ میرے نزدیک آخری صورت زیادہ قرین قیاس و صحیح ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ارتداد کی وجہ سے قتل کئے گئے یا قصاصًا۔ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا قتل بدلہ مثلہ تھا۔ اور ارتداد کا کوئی سوال نہ تھا۔ یہ واقعہ ۵ھ ہجری کا ہے۔ اگر رسول اللہ صلعم نے مرتد کے بارے میں کوئی حکم دیا ہوگا تو یہی موقع رہا ہوگا۔

۲۔ ابن عباس کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی۔

۳۔ سوائے ابن عباس کے کسی اور صحابی سے یہ قول منقول نہیں ہے۔ کم سے کم میری نظر سے نہیں گزرا۔

۴۔ ابن عباس کا پانچ برس کی عمر میں ایسا حکم سننا خلاف قیاس ہے۔ صرف ان کا ذاتی اجتہاد ہی۔

۵۔ ابن عباس کی حدیثوں پر اور زیادہ تر ان کے اجتہاد پر (اس لئے کہ بہ لحاظ سن وہ حدیثوں کے سننے اور یاد رکھنے کے قابل آنحضرت کے زمانے میں نہیں تھے) کثرت سے کلام کیا گیا ہے۔ میں اس کی چند مثالیں حدیث سے ہی دوں گا۔

اول۔ ابن عباس سے پوچھا گیا اگر غلام اپنی عورت کو دو طلاق دیوے پھر دونوں آزاد ہو جائیں کیا وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ ابن عباس نے کہا ہاں پوچھا گیا یہ فیصلہ کس نے کیا۔ انھوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

(عبد اللہ ابن مبارک نے کہا ابوالحسن اس حدیث کے راوی نے اس حدیث کی روایت سے ایک بڑا پتھر اپنی گردن پر اٹھا لیا ہے۔ شافعی اور ابو حنیفہ دونوں کو اس سے اختلاف ہے۔ کیونکہ شافعی کے نزدیک طلاق مردوں سے متعلق ہے اور یہاں خاوند غلام تھا۔ بس دو طلاق میں وہ عورت بائنہ ہوگئی۔ ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق عورتوں سے متعلق ہے اور عورت لونڈی تھی بائن ہوگئی۔ اور اصل یہ ہے کہ قرآن میں مطلق حکم ہے اور غلام اور آزاد کی تخصیص نہیں ہے)

دوم - ابن عباس نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا قسم کا ایک صاع کھجور دے کر اور لوگوں کو بھی ایسا ہی حکم دیا - اگر کسی کو ایک صاع کھجور کا نہ ملے تو نصف صاع گیہوں کا دے (قرآن شریف میں دس مسکینوں کو پیٹ بھر کھانا کھلانا شرط ہے - اسلئے ابو حنیفہ نے قیاس کیا ہے کہ ایک صاع کھجور ہر ایک مسکین کے لئے ہے - مگر شافعی کا قول ہے کہ ہر ایک مسکین کو ایک مد چوتھائی صاع کافی ہے - زہری نے اسکی تاویل یوں کی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے - کیونکہ اسکی اسناد میں عمر بن عبداللہ فاسق ہے)

سوم - ابن عباس کا قول ہے کہ جو شخص اناج خریدے اس کو نہ بیچے - جبتک کہ اس پر قبضہ نہ کرلیوے اور ابو عوانہ کی روایت میں ہر چیز پر یہ حکم ہے -

(ابو حنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے - خصوصاً گھر اور زمین کی بیع میں تو انھوں نے قطعی انکار کیا ہے)

ایسے ہی ان کی روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو حلال نہیں کہ دیکر پھیر لیوے مگر باپ کو جو وہ اپنی اولاد کو دے -

(باوجودیکہ ترمذی نے اس کی تصدیق کی ہے - ابو حنیفہ نے اس حدیث سے انکار کیا ہے)

ابن عباس کا فتویٰ تھا کہ متعہ جائز ہے - ابن شہاب زہری نے کہا کہ عروہ بن زبیر نے مجھکو خبر دی کہ عبداللہ بن زبیر مکہ میں کھڑے ہوئے خطبہ پڑھنے کو اور کہا کہ بعض لوگوں کے دل اللہ تعالےٰ نے اندھے کر دئے ہیں - جیسے ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں - (یہ اشارہ ابن عباس کی طرف تھا جو آخر میں اندھے ہو گئے تھے) فتوے دیتے ہیں متعہ کے جواز کا اور وہ اس شخص پر طعن کر رہے تھے اتنے میں اس شخص نے پکارا اور کہا تم کم فہم - بے ادب نادان ہو اور قسم ہے میری جان کی کہ متعہ کیا جاتا تھا زمانے میں امام المتقین کے - سو ابن زبیر نے کہا کہ تم اپنے کو آزما دیکھو کہ قسم اللہ کی اگر تم نے متعہ کیا تو بے شک میں تم کو تمہاری ہی پتھروں سے ماروں گا - ابن شہاب نے کہا کہ خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے مجھے خبر دی کہ میں ایک شخص کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے متعہ کا فتوے پوچھا تو انھوں نے حکم دیا متعہ کا - سو ابن عمرہ انصاری نے کہا ذرا ٹھہرو - انھوں نے کہا کیوں اللہ کی قسم میں نے کیا ہے امام المتقین کے زمانہ میں - تب ابن ابی عمرہ نے کہا کہ اول اسلام میں جائز تھا - اسکے لئے جو نہایت درجہ بے قرار ہو جیسے مضطر کو مردہ اور خون اور سور کا گوشت حلال ہے - پھر اللہ پاک نے اپنے دین کو مضبوط کیا اور اس سے منع فرمایا -

ظاہر ہے کہ ابن عمرہ کی تاویل لغو و باطل ہے - کہاں بھوکوں مرنا - اور کہاں عورت کے بغیر

مرنا۔ اللہ اکبر۔ پھر تو شراب بھی جائز اور تمامی منکرات جائز۔

اسی طرح ابن عباس کا یہ قول کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن مسعود سے، کہ تمہارے ساتھ پانی ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ مگر کھجور کا شربت ایک چھاگل میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنیوالا ہے۔ میرے اوپر ڈالو سو میں نے ڈالا اور آپ نے وضو کیا۔

(تمام فقہا متفق ہیں کہ انگور کے عرق سے وضو درست نہیں)

ایسے ہی ابن عباس کا قول جو ربیع نے بیان کیا ہے یعنی ابن عباس آئے اور مجھ سے وہ حدیث پوچھی کہ رسول اللہ صلعم نے وضو کیا اور دونوں پیر دھوئے۔ ابن عباس نے کہا کہ لوگ پیروں کا غسل ہی کئے جائیں گے۔ حالانکہ میں کتاب اللہ میں نہیں پاتا مگر مسح کو۔

(تمام فقہا کے نزدیک پیر دھونا شرط وضو ہے۔ طحاوی اور ابن حزم نے اس حدیث کو منسوخ سمجھا ہے۔ جریر طبری ابن حیان اور حسن بصری کا قول ہے کہ آدمی چاہے پیر دھووے (اگر پیر میلا ہو) یا مسح کرے۔ بعض علما نے غسل اور مسح کو دونوں کو واجب سمجھا ہے)

یا ابن عباس کا یہ قول کہ سیاہ کتا اور عورت نماز کو توڑ دیتی ہے (اگر وہ سامنے سے نکل جاوے)

حضرت عائشہ نے اس حدیث اور قول سے انکار کیا ہے۔

۵۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم قطعی مبہم ہے۔ کیا ایسی کوئی مثال تاریخ اسلام میں ہے کہ ایک یہودی مسلمان یا عیسائی ہونیکی پاداش میں قتل کیا گیا۔

۶۔ قرآن میں کوئی حکم نہیں ہے۔ البتہ ان آیتوں سے مفسرین نے کچھ استدلال کیا ہے۔ وہ آیتیں یہ ہیں :۔

۱۔ فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا ۔ ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا۔ (۴-۹۰)

۲۔ یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔ (۵-۵۶)

۳- ومن یرتد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ و اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون (۲-۲۱۷)

ان آیات کے مطالب حسب ذیل ہیں:-

۱- اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں دو رائے ہو گئے ہو۔ حالانکہ خدا نے ان کو ان کے اعمال کی پاداش میں پلٹ دیا ہے۔ کیا تمہارے لئے ممکن ہے کہ آپ کو راہ راست پر لاؤ۔ جب کہ خدا نے گمراہ کر دیا ہے۔ اور جس کو خدا گمراہ کرتا ہے۔ اس کو صحیح راستہ نہ ملے گا۔ کیا چاہتے ہو کہ ان کی طرح تم بھی کفر کرو کہ تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ۔ ان کو تم اپنا مولا اور والی مت بناؤ۔ یہاں تک کہ وہ خدا کی راہ میں جہاد کو نکلیں۔ اور اس وقت اگر وہ پیٹھ پھیریں تو ان کو پکڑو جہاں کہیں پاؤ۔ پھر نہ ان سے مدد لو اور نہ ان سے حمایت کی توقع رکھو۔

۲- اے مومنو۔ جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایک قوم کو لائے گا جو اس سے راضی ہوں گے اور وہ ان سے راضی ہو گا۔ مسلمانوں پر مسکین اور کافروں پر سخت ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرینگے نہیں۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور روزی کا کشادہ کرنے والا ہے۔

۳- اور جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے۔ اور کافر ہو کر مرے تو اس کے اعمال اکارت گئے خواہ دنیاوی ہوں یا اخروی اور اصحاب نار سے ہونگے جہاں ان کو ہمیشہ رہنا ہو گا۔

معمولی سمجھ کا آدمی بھی کتنی ہی کھینچ تان ان آیتوں کی کرے قتل مرتد کا جواز ان سے نکال نہیں سکتا۔ لیکن آفرین ہے ہمارے مفسرین پر کہ انھوں نے ابن عباس کے مزعومہ قول کو نبھایا ہے۔ بیضاوی نے پہلی آیت کی تفسیر میں خدا جانے یہ بات کہاں سے لکھ ماری ہے کہ "جو شخص علانیہ یا خفیہ ارتداد کرے ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ملیں۔ ان سے بالکل الگ تھلگ رہو اور ان کے بارے میں کسی قسم کی رعایت یا سفارش نہ سنو۔" لیکن یہ تاویل بالکل اسی طرح ہے جیسا بعض لوگوں نے فسبحان اللہ حین تمسون کی آیت سے پانچ وقت کی نماز ثابت کی ہے۔ دوسری آیت درحقیقت حضرت ابو بکر کی خلافت کے واقعہ کی پیشین گوئی ہے۔ اور مفسرین کا قول ہے کہ چونکہ ابو بکر صدیق نے مرتدین سے قتال کیا تھا اور ان کا فعل قطعی قرآن کے ماتحت تھا۔ اس لئے مرتد کا قتل جائز ہے مگر سوال یہ ہے کہ عرب کے باغیوں سے قتال کی بنا صرف ارتداد تھی یا کچھ اور۔ کیا فتنہ و بغاوت ظاہر نہ ہو چکی تھی۔ اور اس پر اگر ابو بکر نے قتال کیا تو کیا بیجا کیا۔ تیسری آیت تو اس قدر صاف ہے کہ تعجب معلوم ہوتا ہے

کہ مفسرین نے اس کی تاویل میں کیوں ایسی راہ اختیار کی جو عربیت ہی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس آیت سے اور خود امام رازی نے اس آیت سے قتل مرتد کا استدلال کیا ہے۔ ہر شخص جسکو تھوڑی سی بھی عربی آتی ہے سمجھ سکتا ہے کہ اس کی تاویل کس قدر لغو اور خالی از عقل و انصاف ہے۔

۸۔ ظاہر ہے کہ قرآن اور سنت سے اس کا جواز نہیں ملتا۔ جو کچھ ہے وہ فقہا کا اجتہاد و قیاس اور ہم اس کے پابند نہیں۔

۹۔ فقہا نے قتل مرتد میں کیا جدیتں کی ہیں۔ اس کو تو میں بعد کو دیکھوں گا۔ پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ قتل مرتد پر فقہا کا ہم آراہونا کس مصلحت پر مبنی تھا۔

تم دنیا میں کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو گا کہ قوموں کے افکار و قلوب پر ہمیشہ مذہب کی حکمرانی رہی ہے اور عوام کو اپنے مقصد کی طرف لانے کے لئے ایک اولوالعزم کی کامیابی کا راستہ مذہب سے ہو کر گذرا ہے۔ خواہ وہ اولوالعزمی ترقی و جاہ کے لئے ہو یا سیاسی و قومی تفوق کے لئے۔ لہذا اس کا سمجھنا آسان ہے کہ رئیس یا پیر یا لیڈر، کی کامیابی کی پہلی منزل تو یہ ہوتی ہے کہ عوام کے مذہبی شعور پر حملہ کیا جائے۔ اور اس کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اول تو عوام کے ذہن نشین یہ بات کردی جائے کہ مذہب یا مذہبی کتاب تمہاری معمولی سمجھ سے باہر ہے تم کو خواہ مخواہ ایسے لوگوں کی تقلید کرنا چاہئے جو دین کی سمجھ رکھتے ہیں۔ جب قوم کے قلوب پر یہ بات پوری طرح جاگزیں ہو جائے تو دوسری منزل یہ ہے کہ اپنے کو مذہب کا مفتی و مجتہد ظاہر کیا جائے اور یہ اجاریت یا پریسٹ ہڈ (PRIESTHOOD) کی اصل تاریخ ہے۔ پھر تیسری منزل یہ ہے کہ عوام کے ہاتھ سے وہ تمام ذرائع چھین لئے جائیں۔ جس سے وہ دین کی سمجھ خود بخود پیدا کر سکیں اسکے بعد راستہ صاف ہے۔ قوم تمہارے ہاتھ میں آگئی۔ اب جس طرف چاہو اس کو لیجاؤ اب نہ ان کو تمہاری روایت پر اعتراض۔ نہ تمہارے قیاس پر اور نہ تمہارے اجتہاد پر اور نہ تمہارے عمل پر۔ چنانچہ ہر مذہب میں نبوت کے تھوڑے دنوں کے بعد اجاریت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور قوم جب اجاریت کے گرداب میں پھنس جاتی ہے تو مشکل ہی سے باہر نکلتی ہے۔ مذہب اسلام کی تاریخ میں بھی ہم کو وہی دور نظر آتا ہے۔ نبوت و قرآن کا پہلا دور بہت جلد فقہا و فلسیوں (محدثین) کے دور سے بدل گیا۔ یہ بالکل قانون فطرت کے مطابق ہوا۔ اسلام کی اصل دستاویز قرآن کے ساتھ فقہا اور محدثین نے جو سلوک کیا وہ علیحدہ داستان ہے جو میں پھر کسی وقت بیان

کردیں گا۔ مگر چونکہ ان کی قدرت سے قرآن کا معدوم کرنا باہر تھا اور خوف تھا کہ کہیں کوئی بھیڑ گلے سے نکل نہ جائے ان کو لازمًا حکومت وقت سے سازش کرنی پڑی۔ اور اجاریت کا وہ حربہ استعمال کیا گیا۔ جو ہر قوم و زمانے میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی اختلاف رکھنے والے کی زبان بندی کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کے پاس وہ چیز ہی نہ رہنے دو۔ جس میں زبان ہے یعنی سر کو قلم کردو۔ کیونکہ دراصل اگر اسلام میں ارتداد کے معنی دیکھنا چاہو تو ان کلمات کفر پر نظر ڈالو۔ جو ہمارے آسانی کے لئے فتاوائے برہانی میں جمع کردئے گئے ہیں۔ ان پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارتداد درحقیقت محض معمولی اختلاف رائے سے بھی کم ہے اور مسلمانوں نے ایام ظلمت و جہالت میں غالبًا عیسائیوں سے زیادہ اس راہ میں خون بہائے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر صاحب ہدایہ طابرہان الدین علی مسئلہ ارتداد میں یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں (دیکھو باب نہم ہدایہ)

"جب ایک مسلمان دین سے پھر جائے۔ اس کے سامنے اس بات کو صاف وصراحت و تحقیق سے پیش کرنا چاہئے۔ جس کی وجہ سے اس کے دل میں شکوک پیدا ہوئے تاکہ وہ پھر سے ایمان لائے۔ اُسکے سامنے تحقیق کو پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر اتمام حجت ہو جائے کیونکہ اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہجاتی ہیں۔ اسلام یا قتل۔ اور چونکہ قتل سے اسلام بہتر ہے۔ اس لئے برائی کے مٹانے کے لئے دین کی تعلیم یاد دلانا بہتر ہے۔ لیکن یہ تعلیم ضروری نہیں۔ اسواسطے کہ اس کو مذہب کی تعلیم پہلے ہی مل چکی ہے۔

مرتد کو تین دن تک قید رکھا جائے۔ اور اگر اس تین دن کے اندر وہ اپنے عقیدہ سے توبہ کرلے تو بہتر ہے۔ ورنہ قتل کیا جاوے۔ جیسا جامع الصغیر میں کہا گیا ہے۔ کہ مرتد سے پہلے اتمام حجت کیا جائے۔ اور اگر وہ ارتداد پر قائم رہے تو قتل کیا جائے۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ اسکو تین دن قید رکھنا چاہئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ڈھیل محض اس کو دوبارہ غور کرنے کے لئے ہے۔

ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے کہ تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے۔ خواہ مرتد اسکو قبول کرے یا نہ کرے اور شافعی کا قول ہے کہ امام پر تین دن کا وقفہ دینا واجب ہے اور یہ جائز نہ ہوگا کہ مرتد کو بغیر وقفہ دئے ہوئے قتل کردیا جاوے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ مسلمان کا ارتداد محض اس بنا پر ہو کہ اس کو بعض مسائل سے ناواقفیت یا شک یا گمان ہوگیا ہو۔ اور جسکے لئے اس کو سمجھنے کا موقعہ دینا ضروری ہے۔ ہمارے علماء نے اس پہلو پر دو حیثیت سے بحث کی ہے۔ اول کی تو یہ رائے ہے کہ قرآن میں ہے کہ کافروں کو فورًا قتل کرڈالو۔ اور ان کو کوئی مہلت نہ دو اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ

جو اپنا مذہب بدلے اسکو قتل کر ڈالو۔ دوسرے یہ کہ مرتد دشمن دین ہے۔ جسکو اسلام کی دعوت مل چکی ہے اس لئے اس کے قتل میں دیر نہ لگانی چاہیئے۔ یہاں پر مرتد دشمن دین ہے اور اس کی حالت دین کی سی نہیں۔ کیونکہ نہ اس نے کوئی جزیہ دیا ہے اور نہ اس سے جزیہ قبول کیا گیا ہے۔ یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ مرتد کے لئے غلام اور آزاد کی قید نہیں۔ دونوں پر یہ بحث حاوی ہے۔

"اگر ایک مرتد ہو جائے یا قتل ہو جائے۔ تو اس کا مال ان وارثوں کو ملیگا جو مسلمان ہیں اور جو کچھ اس نے اپنے ارتداد کے زمانہ میں پیدا کیا ہے وہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ یہ قول ابو حنیفہ کا ہے۔

مرتد کے تمام معاملات جو اس نے اپنے ارتداد کے زمانہ میں کئے ہیں یعنی بیع و شری ہبہ اعتاق۔ رہن وغیرہ وہ سب کالعدم ہیں۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ معاملات بحال رہیں گے ورنہ نہیں۔ لیکن اگر وہ مر جائے ارتداد میں تو وہ سب کالعدم ہیں۔

اگر کوئی شخص مرتد کو قتل کرے۔ قبل اسکے کہ اس پر اتمام حجت کیجائے تو یہ مکروہ ہے۔ لیکن قاتل کو کوئی سزا نہ دیجائے گی۔ کیونکہ مرتد کا قتل جائز ہے اور اتمام حجت ضروری نہیں۔

"اگر ایک مسلمان عورت مرتد ہو تو اس کو قید کیا جائے۔ یہانتک کہ وہ اپنے عقیدہ سے توبہ کرے۔ شافعی نے کہا ہے کہ اس کو بھی قتل کر دینا چاہیئے۔ بموجب اس حدیث کے جو اوپر بیان کیگئی ہے۔ اگر مرد مرتد ہو جائے اور دار الحرب کو بھاگ جائے تو اس کا نکاح فسخ ہے اسی طرح عورت کا۔ اور اگر مرد اور عورت دونوں مرتد ہو جائیں اور دار الحرب کو بھاگ جائیں اور عورت وہاں حاملہ ہو کر بچہ جنے اور اس بچے کے بھی بچہ ہوں تو جب مسلمان اس ملک پر حملہ کریں تو مرتد کی یہ اولاد غلام بنائی جائے گی حسن نے کہا ہے کہ ان کو زبردستی مسلمان کیا جائے گا" وغیرہ وغیرہ۔ غریب ملا برہان الدین کے خیال میں یہ نہ آیا کہ جہاں مسلمانوں کے ہاتھ میں سلطنت نہ ہو گی۔ جیسے ہندوستان۔ چین۔ روس وغیرہ۔ وہاں بیچارے کیا ترکیب کرینگے۔ مولوی اشرف علی کا قول ہے کہ وہاں نکاح فسخ کر دینا کافی ہے۔ علماء اسلام سے یہ سوال ہے کہ "کیا اسی اسلام کی تبلیغ کا حوصلہ یورپ میں ہے"

"حق گو"

شاعر کا انجام جناب نیاز کے عنوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ۔ حسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں۔ علاوہ محصول (۱۰/)

منیجر "نگار" لکھنؤ

تلاشِ سکون

سلیمہ کی شادی کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھی کہ اس پر تعجب کیا جاتا۔ لیکن ایک پہلو اس کا ضرور عجیب و غریب تھا کہ "سلیمہ باوجود علیم سے منسوب ہو جانیکے کیوں پلی بھیت کے تعلقدار کو بیاہ دی گئی"

علیم بار بار صفدر کے تار کو پڑھتا۔ لیکن کچھ اُس کی سمجھ میں نہ آتا۔ کل کا آیا ہوا خط اُس کے پاس موجود تھا۔ لیکن اس میں کہیں شادی کا تذکرہ نہ تھا۔ رفع شک کی غرض سے علیم نے صفدر کو جوابی تار روانہ کیا۔ ۴ گھنٹے کے بعد جواب آیا کہ "سلیمہ کی شادی کل ہو گئی۔ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں" واقعہ کی نوعیت جب غیر معمولی ہو تو انسان مشاہدات کا بھی منکر ہو جاتا ہے۔ علیم کو صفدر کے اس تار پر بھی کلی اعتماد نہ ہوا۔ وہ پریشان تھا کہ اب کیا کرے۔ وہ غصہ سے کانپنے لگا۔ جب اُسے یہ خیال پیدا ہوتا کہ اُسکے چچا اُس کو یوں برباد کر دیں گے اور برسوں کے طے شدہ فیصلہ کو یوں توڑ دیں گے۔ انتہائی سراسیمگی کے عالم میں اُس نے خود سلیمہ کو لکھا۔

"عزیزہ، ممکن تھا کہ میں تمکو تمہارے پرانے خطاب سے مخاطب کرتا۔ لیکن صفدر کی اطلاع اسقدر حیرت زا ہے کہ اُس کے تصور سے دل بیٹھا جاتا ہے۔ تار ملفوف کر رہا ہوں۔ اگر یہ صحیح ہو تو میرا خط بغیر پڑھے پھاڑ ڈالئے۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے حق خطاب نہیں رہتا"

علیم

چار دن جواب کے انتظار میں علیم نے نہایت بے چینی سے کاٹے۔ پانچویں دن جواب آیا۔

"بھائی جان۔ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ "ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے" جو ہونا تھا ہو چکا۔ میں اپنے متعلق کچھ نہیں کہتی۔ کیونکہ بناوٹ پر محمول کیا جائے گا۔ مگر آپ کے متعلق ضرور کہوں گی کہ خدا آپ کو اس حادثہ کے برداشت کی طاقت دے"

سلیمہ

(۲)

اجمیر کا عرس اپنی گوناگونی کی وجہ سے اپنے اندر ایک عجیب دلکشی رکھتا ہے۔ اور شاید غالب نے اسی قسم کے اجتماع کو دیکھکر کہا ہوگا۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی ٭ چمن زنگار ہے آئینۂ فضل بہاری کا

علیم اجمیر اس خیال سے آیا تھا کہ شاید اُن لوگوں کی صحبت میں جو دنیا چھوڑ دینے کا اعلان کر چکے ہیں۔ وہ بھی دنیا اور دنیا والوں سے آزاد ہو جائے گا۔ قاعدہ ہے کہ وہ ہستیاں جو ساری عمر خدا کی طرف رُخ نہیں کرتیں اور مذہب کو دقیانوسی توہمات خیال کرتی ہیں۔ ان کو جب سکونِ قلب کی ضرورت پیش آتی ہے تو پھر مجبوراً اسی "دقیانوسی توہمات" کی طرف آتی ہیں۔ علیم باوجود اپنے "کفر پرور" دماغ کے رات دن ریاضت اور عبادت میں گذارتا تاکہ اسکا ذہن سلیمہ کے تصور سے خالی رہے۔ لیکن اُس کا دماغ سکون سے یکسر خالی تھا۔ اُس کی ریاضتیں اُس کی چلہ کشیاں، جنکو وہ ترکِ حیوانات اور فاقے کرکے پوری کر رہا تھا حضورِ قلب سے معرا تھے۔ اور ان وظائف میں جن کو وہ کمر کمر پانی میں کھڑا ہو کر پڑھتا انہیں ایک منٹ کے لئے سلیمہ کے روح فرسا خیال سے اُس کو نجات نہ ملتی۔ اُس کو ایسا معلوم ہوتا کہ سلیمہ سایہ کی طرح اُس کے ساتھ ہے۔ پہاڑوں کے تاریک و وحشتناک غاروں میں سلیمہ کا تصور نور کی طرح ضوفگن رہا کرتا۔ غرضکہ جنگل کا پتہ پتہ اور دریا کی ہر موج اُس کو سلیمہ کا پیغام سناتی۔ گھبرا کر کسی درخت سے لپٹ جاتا۔ اور دھاڑیں مار مار کر روتا۔ یا جنگل کی تاریک اور گھنی جھاڑیوں میں گم ہو جاتا۔ لیکن سلیمہ کا خیالی خاکہ کہیں اُس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔

اس زندگی میں علیم کا واہمہ اس قدر قوی ہو گیا تھا کہ اُس کو کائنات کا ذرّہ ذرّہ سلیمہ کی محبت کا پیغام سناتا معلوم ہوتا۔ کالج چھوڑنے کے بعد علیم اپنی زندگی کو یوں ہی مزاروں خانقاہوں میں تباہ کرتا رہا۔ اُس نے اسی پریشانی میں حج بھی کیا۔ کہ شاید وہاں اُس کو سکون مل سکے مگر افسوس کہ اُس کی یہ امید وہاں بھی پوری نہ ہوئی۔ وہ مضطرب اور دیوانہ وار کعبہ کے در و دیوار سے سلیمہ کے خیال سے نجات مانگتا۔ لیکن اُس کی یہ "التجائے نجات" صدا الصحرا سے زیادہ وقعت نہ رکھتی۔

مدینہ میں علیم کو قدرے ضرور سکون ملا۔ وہ جس وقت روضۂ اطہر کی جالی تھام کر اپنی پُر درد داستان زبان سے نہیں بلکہ دل سے کہتا تو اُس کو ایسا محسوس ہوتا کہ اس کا دل منور ہو رہا ہے۔ اور غم کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ لیکن یہ حالت عارضی ہوتی تھوڑی دیر کے بعد پھر اُس کی حالت وہی ہو جاتی۔

(۳)

بمبئی پہونچکر علیم نے اپنی زندگی کو بالکل بدل لیا۔

قابلیت اور ذہانت انسان کو عمر میں ایک موقع ضرور بہم پہونچاتی ہے کہ اگر اس میں قوتِ پرواز ہو تو وہ بلند ہو سکے۔ علیم جیسے تعلیم یافتہ کا بمبئی میں کامیاب ہو جانا کچھ بعید نہ تھا۔ وہ نہایت معمولی کوشش سے ایک کارخانہ کا منیجر ہو گیا۔ مگر باوجود اپنی لاتناہی ذمہ داریوں کے اُس کی زندگی سراسر

مدہوش تھی۔ اگرچہ وہ کارخانہ میں کبھی دلچسپی نہ لیتا تھا۔ لیکن اُس کا سخت طرزِ عمل کارخانہ کے مزدوروں اور ملازموں کو ہر وقت لرزہ براندام رکھتا تھا۔ کیونکہ معمولی باتوں پر گالیاں دینا اور نوکروں کو برطرف کر دینا اُس کے نزدیک نہایت معمولی بات تھی۔ وہ بالکل نہ جانتا تھا کہ رحم کیا چیز ہے۔ اُس کا قول تھا کہ جب خدا خود رحیم نہیں ہے تو وہ ہستی کیوں رحیم ہو جو اُس کی ذات کی مظہر ہے۔ اُس کے نزدیک مصیبت زدہ مخلوق کے ساتھ سب سے زیادہ عنایت و مہربانی یہ ہے کہ ان کو مزید تباہیوں کی طرف ڈھکیل دیا جائے تاکہ وہ جلد از جلد اپنی اس مصیبت ناک زندگی سے نجات حاصل کر سکیں۔ وہ خدا ایک ایسی طاقت کو کہتا تھا جو رحمٰن و رحیم نہیں بلکہ ظالم و جابر ہے۔ اُس کو لوگوں کی اس خود فراموشی پر بڑی ہنسی آتی جو خدا کی ان تباہ کاریوں کے باوجود اُس کو کریم مانتے ہیں۔ عبادت اُس کے نزدیک ایک بھینٹ تھی۔ جس کو مخلوق خدا کے خون آشام جذبات فرو کرنے کے لئے اُس کے سامنے چڑھاتی رہتی ہے۔

علیم کے سخت گیر برتاؤں سے کارخانہ کا کام چمک اٹھا۔ اور مالک کو اُس سے بے انتہا فوائد پہونچے۔ اور مالک کارخانہ کے خاندان میں اُس کی جلد پذیرائی ہو گئی۔

ثریا مالک کارخانہ کی لڑکی اپنی تعلیم ختم کر کے پونا سے آئی تھی۔ چند روز کی یکجائی نے ایک دوسرے کو روشناس کر دیا۔ علیم نے حصولِ سکون کی خاطر اپنی زندگی ثریا کے قدموں میں ڈال دی۔ اور آخر اُس کو واقعی اضطراب سے نجات مل گئی۔ اور علیم و ثریا نہایت گرویدگی سے زندگی گذارنے لگے۔

ایک دن کارخانہ میں کسی غلطی پر علیم نے میٹ کو بُری طرح مارا اور کارخانہ سے نکال بھی دیا۔ کارخانہ میں اس واقعہ سے ایسی آگ لگی کہ دوسرے دن تمام مزدوروں نے اسٹرائک کر دی۔ مالک کو خبر ہوئی دوڑا آیا۔ مزدوروں سے وجہ دریافت کی۔ انھوں نے اپنا مطالبہ پیش کیا کہ "اس منیجر کو نکال دیا جائے ورنہ ہم کارخانہ کو پھونک دیں گے۔" مالک نے فیصلہ کے لئے دو گھنٹے کی مہلت چاہی۔ مزدوروں نے کہا کہ "نہیں ہم تو ابھی فیصلہ چاہتے ہیں۔ ادھر یا اُدھر۔" مجبوراً مالک کو علیم کی علحدگی کا اعلان کرنا پڑا۔

مالک بہت پریشان تھا کہ اب کیا کرے۔ ثریا کی علیم سے مجنونانہ محبت اب راز نہیں رہی تھی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ثریا جو کچھ نہ کر گذرے تھوڑا ہے۔ اس لئے اُس نے علیم کو ثریا کی اتالیقی سپرد کر دی اور کہہ دیا کہ "ثریا مزید تعلیم کے لئے لندن جانا چاہتی ہے۔ آپ اُس کی تعلیم کا انتظام فرمایئے۔" علیم اس واقعہ سے بالکل دلگیر نہیں ہوا۔ بلکہ اُسے خوشی ہوئی کہ اُس کی ذمہ داریاں کم ہو گئیں۔

علیم نے ۳ مہینے ثریا کے ساتھ نہایت انہماک سے گذارے لیکن رفتہ رفتہ اس کا دل اچاٹ ہونے لگا اور چند روز کے بعد تو پھر اُس کی وہی حالت ہو گئی۔ وہی عدم سکون، وہی اضطراب، وہی پریشانی۔ ثریا اب

اس کے لئے بالکل جاذب نظر نہیں رہی۔

اضطراب کا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ علیم تقریباً دیوانہ ہوگیا۔ اور اُسی عالم میں مے نوشی کی عادت ڈال لی۔

ثریا جو ہر وقت علیم کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اب دنوں علیم اُس کو نہ ملتا۔ وہ حیران و پریشان اُس کو مدہوشی کے عالم میں کسی ہوٹل یا کسی کوٹھے سے لاتی۔

ثریا اس تغیر پر حیران تھی اس نے کوئی کوشش علیم کو پھر وہی گذشتہ علیم بنانے کے لئے نہ اٹھا رکھی۔ لیکن علیم کی حالت روز بروز گرتی ہی گئی۔

کبھی ثریا کو اپنے حسن پہ ناز تھا۔ لیکن اب علیم کے انداز کو دیکھ کر اُس سے بھی بدگمان ہوگئی تھی۔

(۴)

صفدر نے نہایت تعجب سے تار پڑھا لکھا تھا کہ

"صبح کی ٹرین سے پہونچ رہا ہوں۔" علیم

صفدر کو علیم کی گم گشتگی کی وجہ سے اُس کی موت کا یقین ہوگیا تھا۔ تار نے ایک نئی روح اسمیں دوڑا دی اور وہ نہایت بے چینی سے گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ صفدر کو زیادہ تلاش نہ کرنا پڑا۔ اُس کو جلد علیم کا ڈبہ مل گیا۔ صفدر نے چاہا کہ دوڑ کر علیم سے لپٹ جائے۔ مگر ثریا نے نہایت تیزی سے کہا کہ "یہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ ایسا غضب نہ کیجئے ڈاکٹر نے تو زیادہ بات کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے" ثریا کو دیکھکر صفدر کچھ پریشان سا ہوگیا۔ اور پھر جلدی جلدی سوالات کرنے لگا۔ ثریا نے پھر کہا کہ "واقعات کا علم پھر بھی ہو سکتا ہے۔ اسوقت تو سب سے مقدم گھر پہونچنا ہے" صفدر مردوں کی طرح علیم کو گاڑی میں ڈال کر گھر لایا۔

اُسی وقت علیم کی آمد کی خبر سلیمہ کے والد کو پہونچی دوڑے آئے۔ خیریت پوچھی گھر لیجانے پر مُصر رہے۔ لیکن علیم کسی طرح جانے پر راضی نہ ہوا۔

علیم کے چچا نے گھر پہونچکر سلیمہ کو تار دیا کہ "علیم سخت بیمار ہو کر آیا ہے آکر آخری دیدار کر لو" اور جب وہ دوسرے دن علیم سے ملنے گئے۔ تو اس کو اطلاع دیدی کہ "سلیمہ کل صبح تک آجائے گی۔"

میرٹھ پہونچکر علیم کی حالت نسبتاً بہتر ہو گئی تھی لیکن سلیمہ کی آمد کی خبر سے پھر اس پر دورہ پڑا۔ اور گھنٹوں کیلئے وہ بیکار ہوگیا۔

مہینوں گذر گئے تھے کہ ثریا جی سے لگی علیم کی خدمت میں مصروف تھی۔ اور دنوں سے نہ سوئی تھی۔ علیم کے سوجانے کی دیر تھی کہ وہ پٹی پر سر رکھ کر اونگھ گئی۔ علیم پچھلی رات کو ایک دم جاگ اٹھا اور

ثریا کو جگا کر پانی مانگا۔ پانی پی کر علیم نے عجیب نظروں سے ثریا کو دیکھا۔ علیم کی نظر میں وہ کیف اور لذت تھی کہ جس کو ثریا نے ساری عمر محسوس نہیں کیا تھا۔ بہت دیر تک محویت کے عالم میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر علیم نے ثریا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا "ثریا میری جو حالت ہے اُس سے تم بخوبی واقف ہو۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا مگر ناشکری ہو گی۔ اگر میں تمہارے خلوص، تمہاری محبت، تمہاری خدمت کا اعتراف نہ کروں۔ اور تم سے اپنے گناہوں کی معافی نہ چاہوں جو میں نے کئے ہیں اگرچہ میری نظر میں انسان دنیا میں صرف گناہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ انسان ایک مجبور و لاچار ہستی ہے۔ اُس کو اپنے متعلق بالکل علم نہیں کہ کہاں سے آیا۔ اور کیوں آیا۔ اور کہاں جائیگا اس لئے انسان سے جو کچھ اُس کی زندگی میں ہو جائے وہ ثواب کے ذیل میں آتا ہے نہ کہ عذاب کے۔

اپنے اس کلیہ کے تحت میں گو مجھکو یہ حق نہیں رہتا کہ تم سے کسی قسم کے معذرت خواہ الفاظ کہوں۔ لیکن نہیں دنیا کی ہر چیز میں استثنےٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں تم سے عذر خواہ ہوں کہ میں نے تمکو جان کر دہوکا دیا۔ جو چیز میرے قبضہ میں نہ تھی اُس کو تمہاری خدمت میں پیش کیا۔ لیکن میں کرتا تو کیا کرتا جبکہ میری قلبی سوزش نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اور میں نے جو کچھ کیا اُس آگ سے بچنے کیلئے کیا جو مجھ کو پھونکے دیتی تھی۔ تمہارے ساتھ میری فریفتگی مکر اور دہوکہ تھی۔ مگر آہ تم اپنی نادانی سے اُس کا شکار ہو گئیں۔ اور اب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے متعلق وہی شعلہ برق افگن ہے جو مجھ کو پھونک رہا ہے۔ سلیمہ کی محبت نے مجھ کو اس منزل میں پہونچا دیا کہ مجھکو آج اپنا آخری وقت نظر آتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری موت تم پر کیا ستم ڈہائے گی۔ اور تمہارا کیا حال ہو گا۔ لیکن کیا کیا جائے مجبوری ہے۔ دنیا غم خانہ ہے جس میں کسی کو سکون نہیں اور اگر کبھی انسان کو کوئی مسرت نصیب ہو جاتی ہے تو "خون جگر کے ایک ایک قطرہ کا حساب" و "نعمت مژگان یار" ہونے کی وجہ سے دینا پڑتا ہے۔ تمہاری وہ خوشی کی زندگی جسکو تم نے مجھ سے ملاقات ہونے سے قبل گذارا تھا۔ تم کو صرف اس لئے دی گئی تھی کہ تم اس المناک زندگی کے برداشت کی طاقت اپنے اندر پیدا کر سکو۔ اور خوب اچھی طریقہ سے تباہ و برباد ہو۔ میں تنہا مٹ رہا تھا مجھکو مٹ جانے دیا ہوتا۔ لیکن نہیں فطرت کو تو یہ منظور تھا کہ کوئی اور پُر مسرت زندگی بھی اس کے ساتھ تباہ کی جائے۔ مگر "ستم ظریفی" تو ملاحظہ ہو کہ اُس دوسری ہستی کی تباہی کا مجھکو ذریعہ بنایا۔ لہذا جو کچھ ہوا یا آئندہ ہو اس پر تم کو غم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تم نے اپنا حق ادا کر دیا۔ اور تم نے میری ایسی خدمت کی کہ اُس کے معاوضہ کے لئے میرے پاس کچھ نہیں کہ پیش کر سکوں۔ لہذا تم میرے پاس آجاؤ تاکہ میں تمکو گلے لگا کر ہمیشہ کے لئے رخصت کر سکوں۔ اس وقت تمہاری محبت کے بدلہ

میں یہی ایک تحفہ ہے جس کو پیش کر سکتا ہوں۔

ثریا کی آواز جوشِ گریہ نے بند کردی تھی اور علیم بھی بے اختیارانہ رو رہا تھا۔ ثریا نے بہ مشکل اتنا کہا "ایسی ناامیدی کی باتیں نہ کرو اب تم سو جاؤ" علیم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔ لیکن ثریا کے منع کرنے سے آنکھیں بند کرکے خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد علیم سو گیا۔ مگر ثریا تمام رات جاگتی رہی۔ صبح ہوا چاہتی تھی کہ علیم کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت علیم کی طبیعت سخت خراب تھی۔ تشنج کا دورا پڑا۔ ہاتھ پاؤں اکڑ گئے۔ سانس تیز تیز چلنے لگی۔ ثریا ابھی علیم کو سنبھال ہی رہی تھی کہ ماما نے سلیمہ کی آمد کی خبر کی۔ علیم ابھی سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس خبر کو سُن کر بیہوش ہو گیا۔ ثریا گھبرا گئی اور صفدر کو آواز دی۔ صفدر نے آکر دیکھا تو علیم ختم ہو چکا تھا۔ صفدر بہ چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ ثریا سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ لیکن اُس کی عجیب حالت تھی کبھی صفدر کو دیکھتی اور کبھی علیم کو۔ شدتِ غم اور حیرت نے اُس کی آنکھوں میں آنسو خشک کر دیے تھے اور جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے بہزار وقت اپنے آپ کو سنبھالا اور علیم کو درست کرنے لگی۔ کہ اتنے میں ماما نے صفدر سے کہا کہ "آپ دوسرے کمرہ میں چلے جائیے سلیمہ بی آنا چاہتی ہیں"

صفدر دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ صفدر کے جاتے ہی سلیمہ کمرہ میں داخل ہوئی۔ اور "ہائے بھائی جان" کہکر علیم سے لپٹ گئی۔ زار و قطار روتی جاتی تھی اور کہتی تھی "بھیا تم نے اپنی اس گناہ گار بہن کو اتنا بھی موقع نہ دیا کہ کم از کم عذرِ گناہ تو کر سکتی"۔ سلیمہ کے لاش سے لپٹنے سے لاش میں ایک ارتعاش پیدا ہوا اور فوراً بند ہو گیا۔

(۵)

علیم کے دفن کے بعد ثریا نے سلیمہ کو علیم کا خط دیا۔ سلیمہ نے اندازِ بیتابی سے کھولا لکھا تھا۔

سلیمہ!

"واقعات ہائلہ کے بعد گو حقِ تخاطب چھن جاتا ہے۔ لیکن مجھے آپ سے ایک دوسری نسبت کا بھی فخر حاصل ہے۔ اس لئے اتنی جسارت کرتا ہوں۔ اور اپنے قلبی تاثرات کو آپ تک پہنچا رہا ہوں"

"ممکن تھا کہ میں اس وقت قسمت کی شکایت کرتا۔ لیکن نہیں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ کیونکہ قسمت کا مفہوم میرے نزدیک "جبر" "قہر" کے سوا کچھ نہیں پھر ظلم کی صورت میں "جبر" کے متعلق کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ "بر سر اولادِ آدم ہرچہ آید بگذرد"

"اس دوران میں گو میں آپ سے دور رہا لیکن آپ کے دل گداز خیال کو ہمیشہ اپنے قریب رکھا۔ اور آج اُسی کی وجہ سے اس دنیا کو چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے مجھکو اس قابل بھی نہ

رکھا کہ قربِ روحی کے خیال سے اپنے آپ کو کچھ مسرور رکھ سکوں۔ کیونکہ روح کا مفہوم میرے نزدیک اس سے زیادہ نہیں کہ ترکیب جسمی سے ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔ اور میرے خیال میں یہی ہر شئے کی معراج ہے کہ جو ذرے کسی وقت انجذابی حالت پیدا کریں۔ انتشار کے عالم میں پھر اُسی فضائے لامحدود میں محو رقص ہوں۔"

"آپ کو میری باتیں عجیب معلوم ہوں گی لیکن چونکہ میں نے آپ کو اسقدر تعلیم دیدی تھی کہ آپ ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیں گی۔ میرے خیالات دماغی فریب نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ باتیں ہیں جنکو میں نے تجربہ کی کسوٹی پر کسا ہے۔ آپ کی محبت نے مجھکو ولی بھی بنایا اور رند مشرب بھی۔ لیکن مجھے دونوں صورتوں میں ایک ہی حالت نظر آئی۔ سکون نہ یہاں ہے نہ وہاں۔ بلکہ دنیا میں ہر طرف دھوکہ اور فریب کا جال پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس دام کے اسیر مختلف الحیثیت ہیں۔ کوئی اسیرِ دام جبر ہو کر بھی اپنی متعلق خیال اسیری نہیں لاتا۔ اور کوئی پھڑکتا ہے۔ اور مضطرب و بیقرار ہوتا ہے۔ ایسے اسیر کے لئے قیدِ حیات پر قیدِ محبت بڑھا دیتے ہیں تاکہ مانوسِ قفس ہو جائے۔"

"میرے نزدیک اگر میری عمر میں فطرت نے کہیں رحم سے کام لیا ہے۔ تو یہ میری موت کا معاملہ ہے۔ میں ممنون ہوں اور بیحد ممنون۔ یہاں تک پہونچنے میں میرا گناہ صرف اتنا تھا کہ آپ کے مواعید پر یقین لے آیا۔ اور اپنے آپ کو ان کی رو میں بہا دیا۔ فقدانِ محبوب انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے۔ اور میری دانست میں کسی کو تباہ و برباد کرنے کا سب سے زیادہ زبردست حربہ "غیر محسوس طاقت" کے پاس بھی افتراقِ محبوب و محب ہے۔"

"میں آپ کو کسی قسم کا الزام نہیں دیتا۔ کیونکہ میں "ازل" سے "شرارِ آرزو" صرف جلنے کیلئے لایا تھا۔ میرے خیالات آپنے ملاحظہ فرمالئے۔ میں نے اُن کا اظہار نہایت دلیری سے محض اس وجہ سے کیا کہ اگر آپ کے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں میری محبت باقی ہو تو آپ اُس کو نکال دیں۔ اور خواہ مخواہ "دعا" یا "ثواب" کے نام سے میرے لئے زحمت نہ گوارا فرمائیں۔ کیونکہ دعا کا مفہوم میرے نزدیک دماغی فریب" سے زیادہ نہیں۔ اور میں آپ کی نظر میں اپنی اصلی صورت میں دکھائی دوں۔ اور کسی قسم کی عنایت کا مستحق قرار نہ پاؤں۔"

"علیم"

(۹)

خط دیکھ کر سلیمہ کی طبیعت اس قدر خراب ہوئی کہ پھر وہاں ایک منٹ نہ ٹھہر سکی۔ اور پہلی گاڑی سے جلی بھیت روانہ ہو گئی۔

سیوم کے بعد ثریا نے بھی صفدر سے اجازتِ سفر چاہی۔ صفدر کا جی نہ چاہتا تھا لیکن ثریا کے اصرار نے اُس کو بھی مجبور کر دیا۔ وداع کا منظر نہایت دل خراش تھا اور ثریا کے ان الفاظ نے کہ "میں نے آپ کی امانت کو آپ تک پہونچا دیا۔ لیکن آپ مجھے خالی ہاتھ واپس کر رہے ہیں۔" صفدر کو سخت بیتاب بنا دیا تھا۔

ثریا جس وقت میرٹھ سے چلی اسے ہلکا ہلکا بخار تھا۔ بمبئی پہونچتے پہونچتے شدید ہو گیا۔ بڑے سے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لیکن بخار نہ اترنا تھا نہ اترا۔ اور تیسرے دن ثریا نے بھی اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔

محمد ذوالفقار کیفی

سمن بغرض قرارداد اُمور تنقیح طلب

(آرڈر ۵ قاعدہ ۲۰ ضابطہ دیوانی)

مقدمہ نمبر ۷۹ سنہ ۱۹۳۱ء ابتدائی معمولی

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر بہرائچ مقام بہرائچ

رام کشن عمر تخمیناً ۵۰ سال ولد داوری قوم کوری ساکن موضع فتحپور سنگھی پرگنہ چردہ تحصیل نانپارہ ضلع بہرائچ مدعی

نام { ۱- سردار کرم سنگھ تعلقدار ریاست جمدان ساکن موضع جمہاں
۲- لال محمد عمر تخمیناً ۴۵ سال ولد بخا ور قوم پٹھان ساکن موضع جمہاں بھونیاں پور } پرگنہ چردہ تحصیل نانپارہ ضلع بہرائچ مدعا علیہم

واضح ہو کہ مسمی رام کشن مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ہر جہ پیداوار مالیتی ماعہ ۵/۳/۵ کے دائر کی ہے لہذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم تاریخ ۲ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء وقت ۱۰ بجے دن کے اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حال سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل امورات اہم متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو جو جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعوے مدعی مذکور کی کرو اور تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ جملہ دستاویزات کو جن پر تم تائید اپنی جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔

مطلع رہو کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہو گے تو مقدمہ تمہاری غیر حاضری میں مسموع اور فیصل ہو گا۔

آج بتاریخ ۵ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

زبان اُردو کے تنزل کے اسباب اور ہندوستانی اکاڈیمی

(گزشتہ سے پیوستہ)

آج کل اُن انگریزی داں حضرات کے مضامین میں جنھیں زبان اُردو پر عبور نہیں ہے۔ بہت سی فروگزاشتیں اور غلطیاں نظر آتی ہیں۔ یہ غلطیاں عموماً دو طرح کی ہوتی ہیں۔

(الف) غلطیاں جو زبان انگریزی میں سوچنے اور انگریزی محاورات پر عبور رکھنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(ب) غلطیاں جو زبان اُردو کے محاورات سے نابلد ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(الف) اول الذکر غلطیاں بہت رائج ہیں۔ با اعتبار نوعیت کے ان کی سات قسمیں ہیں۔

۱۔ پہلے انگریزی میں سوچ کر اپنے مفہوم کا اُردو میں ترجمہ کرنا اور کسی انگریزی لفظ کے وہ معنی قرار دیدینا جو عموماً مدارس انگریزی میں لڑکوں کو بتائے جاتے ہیں۔

مثلاً رسالہ ہندستانی بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲ سطر ۲ "یوں لکھا ہوا دیکھا ہے۔" یہاں "لکھا ہوا" غالباً انگریزی لفظ (WRITTEN) کا ترجمہ ہے۔ اسکولوں میں اس لفظ کے معنی "لکھا ہوا" بتاتے ہیں۔

۲۔ ایک اردو لفظ کو کسی انگریزی لفظ کا ہر حیثیت سے مترادف قرار دیدینا اور یہ فرض کرلینا کہ جن محاوروں اور بندشوں میں وہ انگریزی لفظ استعمال ہوتا ہے وہاں وہ اردو لفظ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ کسی دو زبانوں میں ایسے دو الفاظ کا ملنا ناممکن ہے جو ہر حیثیت سے ہر محاورہ میں اور ہر بندش میں ایک ہی مفہوم رکھتے ہوں۔

ملاحظہ ہو رسالہ ہندستانی بابت ماہ جنوری ۳۱ء۔ صفحہ ۳۔ سطر ۱۰

"ہر مقام پر اشارہ کردیا گیا ہے۔" "Has been pointed out at all places"

صفحہ ۲ سطر ۱۱ "منطق فارسی کی چیز ہے۔" "is a thing of Persian"

۳۔ انگریزی بندشوں کا اُردو میں بغیر سمجھے بوجھے ترجمہ کردینا اور یہ فرض کرلینا کہ دو مختلف زبانوں کے الفاظ جو ایک محاورہ میں متحد المفہوم ہیں وہ ہر محاورہ میں متحد المفہوم ہیں۔

رسالہ ہندستانی صفحہ ۲ سطر ۱۶ " تو وہ بغیر کسی دقت کے قائم رہا۔" "Without any difficulty"

" صفحہ ۳ سطر ۱۷ - فارسی والے "The persians"

" صفحہ ۱ سطر ۴ جہاں کسی غلطی کی تکرار ہوئی وہ کتاب اور رسالوں میں راہ پا گئی۔

WHEN A MISTAKE IS REPEATED IT FINDS ITS WAY INTO BOOKS AND JOURNOLS

۴- انگریزی محاورات اور ضرب المثل فقروں کا ہو بہو ترجمہ کر دینا۔

رسالہ ہندستانی صفحہ ۲ سطر ۱۴ عادت کے بندے "SLAVES of habits"

" صفحہ ۱ سطر ۱۴ راہ پا گئی found a way into

۵- متحد المفہوم اردو الفاظ کا غلط استعمال۔ مثلاً اگر کسی مفہوم کے ادا کرنے کیلئے انگریزی میں صرف ایک لفظ ہے اور اردو میں اس مفہوم کی نوعیت کے اعتبار سے دو یا زیادہ الفاظ ہیں تو ان الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کر دیا۔ مثلاً انگریزی لفظ Generations کے دو مترادف الفاظ ہیں۔

(A) پشت جسکا اطلاق پچھلی "Generation" پر ہوتا ہے۔

(B) نسل جسکا اطلاق اگلی "Generation" پر ہوتا ہے۔

نسل کو پشت کے معنی میں استعمال کرنا مذکورہ بالا غلطی ہے۔

انگریزی لفظ (SOME) کے دو مترادف ہیں کچھ اور کوئی۔ مگر انکا استعمال جدا جدا ہے۔

رسالہ ہندستانی صفحہ ۳ سطر ۲ "کوئی فرق نہ رہا" یہاں "کچھ" کا موقع ہے۔

۶- انگریزی (Figures of Speech) کا اردو میں نقل کرنا اور اردو کی صحت بندش کو بالکل نظر انداز کر دینا۔

رسالہ ہندستانی صفحہ ۱ سطر ۱۸ "غلطی کی پیروی کرنا" یہ جملہ غلطی کرنیوالوں کی پیروی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایک وصف اضافی اسم ذات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۷- انگریزی تخیل کی وجہ سے اردو زبان کو محدود اور تنگ سمجھکر نئے نئے محاورات اور الفاظ گڑھنا اور صحیح الفاظ محاورات جو اردو زبان میں موجود ہیں ان سے قطعاً نابلد ہونا۔

ہندستانی بابتہ ماہ جنوری سنہ ۳۱ء صفحہ ۲ سطر ۲۰ آگے والے اگلے

" صفحہ ۱ سطر ۱۵ شائستہ زبان شستہ زبان "Civilians"

صفحہ ۴ سطر ۲۲ اس حرف کا نمایندہ اس حرف کا قائم مقام۔ اس حرف کی جگہ

(ب) وہ غلطیاں جو زبان اُردو سے نابلد ہونیکی وجہ سے ہوتی ہیں۔

(۱) املا کی غلطی۔ اس کی متعدد مثالیں ملیں گی۔ لہذا یہاں لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ستم تو یہ ہے کہ بعض انگریزی الفاظ جو اُردو کے خط میں لکھے جاتے ہیں۔ ان کے املا میں بھی غلطی کی جاتی ہے۔ مثلاً اکیڈمی (ACADEMY) جس کا تلفظ (ACADEMI) ہے اُس کو اکیڈیمی لکھنا ظاہر ہے کہ اس املا میں دوسری (ی) بالکل غلط ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ "ہندستانی"

(۲) تذکیر و تانیث کا غلط استعمال۔ اس کی بھی متعدد مثالیں ملیں گی۔

ملاحظہ ہو ادبی دنیا بابت ماہ فروری ۳۰ء صفحہ ۱۴ کالم ۱ سطر ۲۔ "یہ تاریکی اُس کا رفیق تنہائی بن گئی تھی" اس میں "اس کی رفیق تنہائی" ہونا چاہیئے۔

(۳) حرف ربط اور حرف جار کا غلط استعمال

ملاحظہ ہو رسالہ ہندستانی بابت ماہ جنوری ۳۱ء صفحہ ۱ سطر ۱۵ "لکھاوٹ میں ترمیم" میں کی جگہ "کی" ہونا چاہیئے۔

(۴) صیغہ کا غلط استعمال

ملاحظہ ہو رسالہ ہندستانی صفحہ ۱ سطر ۸ "اگر قاعدے معین نہ ہوں، تو زبان کی یکرنگی اور یکسانی میں سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوگا" اس جملہ کو یوں لکھنا چاہیئے "اگر قاعدے معین نہ ہونگے ...... تو اندیشہ ہے"

(۵) واحد اور جمع کا غلط استعمال۔ مثلاً مکھیا کی جمع مکھیوں لکھنا۔ اگر یہ جمع صحیح مان لی جائے تو دریا کی جمع دریوں ہو جائیں گی۔

(۶) اسماء کے ساتھ ایسے افعال کا استعمال جو خلاف محاورہ ہیں۔ مثلاً رسالہ ہندستانی بابت ماہ جنوری ۳۱ء صفحہ ۳ سطر ۶ "تدبیر یہ ٹھہری" اس کی جگہ پر تدبیر سوجھی یا تدبیر کی گئی استعمال ہوتا ہے۔

(۷) متروک اور عامیانہ الفاظ اور محاورات کا استعمال۔ مثلاً "بس" "اپنے تئیں" "لعض لفظ" وغیرہ

(۸) حروف معنوی۔ ایسے۔ یہ۔ وہ۔ یہاں۔ وہاں ...... وغیرہ کا غلط استعمال۔

مثلاً میرے یہاں ایسا ہوتا ہے۔ جبکو یوں لکھنا چاہیئے "ہمارے وہاں ایسا ہوتا ہے"۔

(۹) کسی لفظ یا جملہ کو غلط معنوں میں استعمال کرنا۔

ملاحظہ ہو ہندستانی بابت ماہ جنوری ۳۱ء صفحہ ۳ سطر ۱۲ "سوا اس کے کہ اس موقع پر "البتہ" بولتے ہیں۔

(۱۰) ثقیل اور غیر مانوس الفاظ استعمال کرنا۔ اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

(۱۱) اردو نشست الفاظ کو نظر انداز کر کے اجنبی نامانوس اور ناموزوں الفاظ جمع کر دینا۔ ملاحظہ ہو ہندستانی بابت ماہ جنوری ۳۱ء صفحہ ۲ سطر ۱۱ "ابتدا اور ریچ"۔ اس موقع پر شروع یا درمیان ہونا چاہیئے۔

(۱۲) اُردو محاورات اور الفاظ کا غلط مفہوم سمجھنا۔ اُن کو غلط معنوں میں استعمال کرنا اور ان کے استعمال میں غلطی کرنا۔

(۱۳) اردو محاورات صنائع بدائع اور خصوصیات زبان کو یک قلم بھول جانا اور اس وجہ سے اُنکو تحریر میں استعمال نہ کرنا۔ ایک انگریزی داں جب اردو کے بہت سے محاورات اور الفاظ بھول چکتا ہے تو وہ ایک نیا محاورہ گڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کو توسیع زبان سمجھتا ہے۔ اور اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو یہ نیا محاورہ گڑھنا توسیع زبان نہیں ہے۔ بلکہ تخریب زبان ہے اگر دس محاورے بھول جانے کے بعد کسی نے ایک نیا محاورہ بنا بھی لیا تب بھی اُن سے نو محاوروں کا خون کیا۔

زبان کی ایسی غلطیوں سے بچنے کے لئے ہم سب لوگوں کا فرض منصبی ہے کہ ہم سب مل کر جس طرح ممکن ہو زبان اُردو کی اصلاح کریں۔ اس میں اپنے احباب کی خوشنودی مزاج کی پروا نہ کرنا چاہیئے۔ اور اپنی مادری زبان کے مقابلہ میں ہر ذاتی نفع کو قربان کر دینا چاہیئے۔

میرے خیال میں اگر حسب ذیل طریقوں پر عمل کیا جائے تو کچھ اصلاح ممکن ہے۔

(۱) انگریزی مدارس میں ہر مضمون کی تعلیم زبان اردو میں ہونا چاہیئے اور انگریزی کو بہ حیثیت ایک غیر زبان کے پڑھانا چاہیئے۔ یہ کام ہم لوگوں کے بس کا نہیں ہے۔ اس کو صرف صیغۂ تعلیم کے معزز حضرات کر سکتے ہیں۔ ہمیں قوی امید ہے کہ وہ مقتدر ہستیاں جنھوں نے تعلیم کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اُردو کی حالت پر رحم کھا کر اس زبان کو پستی سے اُٹھائیں گی۔ اور ہم لوگوں کو اظہار شکریہ کا موقع دینگی۔

(۲) اُردو لٹریچر کو اُردو کا لٹریچر سمجھکر پڑھنا چاہیئے۔ نثر و نظم کی تعلیم اُنھیں اُصول پر ہونا چاہیئے جن اصول پر زبان انگریزی کی تعلیم ہوئی ہے۔

(۳) صرف وہ استاد اردو پڑھانے کے لئے مقرر کئے جائیں۔ جنکو زبان اردو کا مذاق سلیم ہو۔ جو اُردو میں سوچنے کے خوگر ہوں اور محاورات زبان پر عبور رکھتے ہوں۔

(۴) اُردو کی نئی اور غیر مانوس ترکیبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

(۵) اردو زبان کے محاورات۔ بندش الفاظ۔ استعمال الفاظ۔ مفہوم الفاظ طرز ادا اور خصوصیات

زبان پر ایک جامع رسالہ تحریر کیا جائے۔ یہ کام اکاڈمی کی کوشش سے بآسانی ہو سکتا ہے۔

(۶) اردو زبان کی فیلولوجی اور املا کے جدید طریقوں پر کوئی مضمون اکاڈمی کے رسالہ میں اُس وقت تک نہ شائع کیا جائے۔ جبتک اُس سے زبان کی ترقی نہ مقصود ہو۔ یہ غیر ضروری باتیں اُس وقت کیلئے اُٹھا رکھی جائیں۔ جب لوگوں میں مذاق سلیم پیدا ہو جائے۔ یہ عام باتیں تو ایک جرمنی کا باشندہ بغیر اردو زبان جانے ہوئے لکھ سکتا ہے۔

(۷) اصطلاحیں اور نئی بندشیں بالفعل نہ گڑھی جائیں۔ پہلے اپنی زبان کی موجودہ بندشوں اور اصطلاحوں کو باقاعدہ منضبط کیا جائے۔

(۸) جدید سائنس کے پڑہانے میں انگریزی اصطلاحات استعمال کیجائیں۔ جب زبان اُردو میں تعلیم ہو گی۔ اور استادوں میں مذاق سلیم پیدا ہو جائے گا تو نئی اصطلاحیں خود بخود عالم وجود میں آجائیں گی اور ایسے باکمال حضرات ملجائیں گے جو اُن اصطلاحوں کی صحت اور فصاحت کا خیال رکھیں گے۔ کبھی کسی ملک کے باشندوں نے سائنس کے اصطلاحات ایک ساتھ نہیں وضع کئے۔ بلکہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ خود بخود نئے اصطلاحات زبان میں داخل ہو گئے۔

(۹) اکاڈمی کے اُصول میں حسب ذیل اصول کا اضافہ کر دیا جائے۔

(الف) اکیڈمی کے اُردو رسالہ میں صرف وہی مضامین شائع ہوں گے جن کی زبان اُردو ہو گی اور جن میں صرف اُردو کی بندشیں اور اُردو کے محاورات استعمال کئے جائیں گے۔

(ب) اکیڈمی کے بورڈ آف اڈیٹرس کسی نئے لفظ یا فقرے کو بغیر اردو داں حضرات کی منظوری کے رسالہ میں نہ استعمال کریں گے۔

(ج) چونکہ ڈرامہ کے ذریعہ سے اُردو زبان کی ترویج ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں کیجا سکتی ہے اس لئے ڈرامہ پر ہر سال خاص توجہ کی جائے گی۔

(اکاڈمی نے جو رسالہ بابت ماہ جنوری شائع کیا ہے۔ اُس میں زبان کی بہت زیادہ غلطیاں موجود ہیں اور یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اس رسالہ کے قابل مضمون نگار حضرات کس طرح زبان انگریزی سے اس حد تک متاثر ہو گئے کہ اردو کی بندشیں قریب قریب بھول گئے۔

پہلے پانچ صفحوں میں زبان کی ننانوے غلطیاں ہیں۔ جن میں سے بعض یہاں تحریر کر رہا ہوں۔ باقی رہیں مضمون کی غلطیاں ان کو بھی میں عنقریب پیش کرونگا۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۱	۱	۱	ہندستانی	غلط لفظ ہے اردو زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنیکے لئے "ہندوستانی" لکھتے ہیں۔ البتہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ محض نام ہے اور اسکے کوئی معنی نہیں ہیں تو "ہندستانی" بھی صحیح ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انگریزی لفظ Hindustani کا تلفظ اتنا دماغ میں سما گیا ہے کہ اردو تلفظ بالکل فراموش ہو گیا۔ اسکی مثال ویسی ہے جیسے کوئی انگریز ہندوستانیوں کی صحبت میں رہ کر لفظ Engine کا تلفظ انجن کرنے لگے اور اُس کا املا Injan لکھے قافیہ کی ضرورت سے البتہ ہندستانی لکھ سکتے ہیں۔	ہندوستانی
۲	〃	۲	تماہی	خود ساختہ لفظ جو اردو میں بالکل ناموزوں ہے اگر کسی کو زبان اُردو کا تھوڑا بھی مذاق سلیم ہے تو وہ بھول کر بھی فارسی لفظ ماہی کے ساتھ تہ نہ استعمال کریگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی Triangular Field کی جگہ Three angular Field استعمال کرے یا (Bi-weekly) کی جگہ Bicycle-Half weekly کی جگہ (Two Cycle) (Biennial Plant) کی جگہ	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
				(Two ennial Plan Z) کے۔ علاوہ بریں اردو میں لفظ "سہ ماہی" ضرور ہے مگر وہ صرف مردے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔	سہ ماہی
۳	۱	۶	ہر زبان کے لئے ضروری ہے کہ اسکے املا کے قاعدے منضبط ہوں۔	اس جملہ کی بندش انگریزی ہے جو زبان اردو کیلئے قطعاً ناموزوں ہے۔ لفظ ضروری کے لئے "یہ بات" "یہ امر" ہونا چاہیئے تھا۔	ہر زبان کیلئے اسکے املا کے قاعدوں کا منضبط ہونا نہایت ضروری ہے ہر زبان کے لئے یہ امر......
۴	۱	۶	منضبط ہوں	اس فقرے کے دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) قواعد پہلے سے موجود ہوں۔ (۲) از سر نو مرتب کئے جائیں۔ دونوں حالتوں میں طرز ادا ناموزوں ہے۔	(۱) موجود ہوں (۲) منضبط کئے جائیں۔
۵	"	۷	اگر قاعدے معین نہوں	صیغہ کا استعمال غلط ہے	اگر قاعدے معین نہ ہونگے
۶	"	۸	یکسانی	یہ لفظ اردو میں نہیں استعمال ہوتا ہے۔ غالباً لفظ یکساں سے یائے مصدری لگا کر بنایا گیا ہے۔ ایسے نئے لفظوں کا استعمال بالکل غلط ہے۔ چونکہ جملے کی بندش انگریزی ہے۔ اسلئے اس عجیب لفظ کی ضرورت پڑ گئی ہے۔	یکجہتی (قریب قریب صحیح)
۷	"	۸	تو زبان کی یکرنگی اور یکسانی کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے	اس جملہ کے الفاظ نامانوس ہیں۔ بندش مہمل ہے۔ طرز ادا بالکل انگریزی ہے۔ یکرنگی کے لئے صدمہ پہنچنا نہیں استعمال ہوتا: اندیشہ ہوگا غالباً لفظ (Apprehended) کا ترجمہ ہے۔ صدمہ پہنچنا صرف مادی چیز کے لئے استعمال	تو اس بات کا امکان ہے کہ زبان کی یکرنگی میں نقص آجائے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۷	۱	۸		ہوتا ہے۔ غالباً انگریزی زبان میں سوچنے کی وجہ سے اس جملہ کی بندش ایسی خراب ہو گئی ہے۔	
۸	۱	۹	اندیشہ ہوگا	اردو زبان میں "اندیشہ ہوگا" کبھی نہیں استعمال ہوتا ہے۔	اندیشہ ہے۔
۹	۱	۹	اور اردو اسوقت اس قسم کے خطرے میں ہے۔	اس جملہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معزز مضمون نگار صاحب خود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ اب تک زبان میں کوئی نقص نہیں آیا مگر اندیشہ ہے کہ آگے چلکر پیدا ہو جائے۔ جب یہ امر تسلیم ہے۔ تو پھر قواعد کے منضبط کرنے کی کیا ضرورت۔ انگریزی زبان میں البتہ ایک محاورہ (Is in danger of) ہے۔ غالباً یہ جملہ بھی انگریزی تخیل کا نتیجہ ہے "اسوقت" کے بجائے "اس قسم" لکھنا غیر فصیح ہے۔ اگر اس وقت کی جگہ آجکل لکھا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔	اردو زبان اس سے مستثنیٰ نہیں
۱۰	۱	۱۰	شائستہ زبان	شائستہ بھی غالباً لفظ (Civilised) کا ترجمہ ہے۔ ایک قوم کو (Civilised) کہہ سکتے ہیں اور اس مفہوم کے ادا کرنے میں "شائستہ" اس کا مترادف ہے۔ مگر یہ کلیہ نہیں بنایا جا سکتا کہ "شائستہ" کا اطلاق ہر اس چیز پر ہو سکتا ہے جس کے لئے ہم (Civilised) استعمال کر سکتے ہیں۔	شستہ۔ باقاعدہ
۱۱	۱	۱۱	اردو والے	دیہاتی زبان ہو یا انگریزی نقل کر کے (The English	اردو داں حضرات

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۱۱	۱	۱۱		The French کے طریقہ پر یہ لفظ بنالیا گیا ہے۔	اردو بولنے والے
۱۲	۱		اپنے تئیں	متروک۔ بعض دیہاتوں میں البتہ بولتے ہیں	اپنے آپکو (دہلی) آپ کو۔ خود (لکھنؤ)
۱۳	"	۱۵	لکھاوٹ میں ترمیم	دو غلطیاں ہیں (۱) لکھاوٹ ٹھیٹ ہندی ہے اور ترمیم عربی۔ اس لئے یہ بندش بالکل ناموزوں معلوم ہوتی ہے۔ (۲) حرف جار "میں" کا استعمال غلط ہوا ہے۔	لکھاوٹ کی ترمیم طرز تحریر کی اصلاح
۱۴	"	۱۸	غلطی کی پیروی	محاورہ کے خلاف ہے غلطی اور سچائی وغیرہ کی پیروی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ آدمی کی پیروی ہوتی ہے۔	(۱) وہی غلطی کرنے لگتے ہیں۔ (۲) اسی غلطی کا اعادہ کرتے ہیں۔
۱۵	"	۱۹	غلطی کی تکرار ہوئی	صحیح۔ مگر غیر فصیح	غلطی کا اعادہ ہوا غلطی بار بار کی گئی۔
۱۶	"	۱۹	اخباروں میں راہ پاگئی	یہ انگریزی Found Away Into کا لفظی ترجمہ ہے جو اردو میں غیر فصیح ہے۔	داخل ہوگئی
۱۷	"	۱۹	جہاں کسی غلطی کی تکرار ہوئی وہ کتابوں اور اخباروں میں راہ پاگئی	صیغہ کا استعمال غلط ہے۔ یہاں صیغہ ماضی کا موقع نہ تھا اردو میں اس موقع پر صیغہ حال استعمال کرتے ہیں۔ جملہ کی بندش بالکل نامانوس ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کا مذاق مفقود ہوگیا ہے۔	جب یک ہی غلطی بار بار کیجاتی ہے تو وہ اکثر کتابوں اور اخباروں میں داخل ہوجاتی ہے
۱۸	"	۱۸	بغیر تحقیق کئے ہوئے	صیغہ کی غلطی۔ "ہوئے" کا استعمال غلط ہے۔ اسکی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔	(۱) بغیر تحقیق کئے (۲) بغیر تحقیق کے (۳) بلا تحقیق۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۱۹	۲	۱	سند ہو گئی	غلط صیغہ	سند ہے یا سند ہوتی ہے
۲۰	"	۲	یوں لکھا ہوا دیکھا ہے	"ہوا" غلط ہے۔ غالباً زبان انگریزی میں سوچنے کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ یہ انگریزی فقرے Has seen written کا ترجمہ ہے۔ چونکہ written فعل write کا Past Participle ہے اور اس کے معنی مدارس میں لکھا ہوا بتائے جاتے ہیں اس لئے ترجمہ کرتے وقت اس کے معنی لکھا ہوا قرار دئے گئے۔	یوں لکھا دیکھا ہے
۲۱	"	۱ اور ۲	عوام کیلئے یہ ایک بڑی سند ہو گئی کہ فلاں لفظ ایک کتاب میں یا کسی اخبار میں یوں لکھا ہوا دیکھا ہے۔	اس جملے کی بندش مہمل ہے۔ اس میں ہر صنف کی غلطیاں موجود ہیں۔	جب عوام کسی غلط لفظ کا استعمال کسی کتاب یا اخبار میں دیکھتے ہیں تو اس کو سند سمجھنے لگتے ہیں۔
۲۲	"	۳	بہت کم ہوتی ہے	غلط صیغہ	بہت کم ہے
۲۳	"	۴	عادت کا بندہ ہوتا ہے	خود ساختہ محاورہ ہے Slaves of their own habits کا ترجمہ ہے جیسے کوئی اس اردو محاورہ کا "اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے" انگریزی میں ترجمہ کر دے Parrots of his hands flew away علاوہ بریں مقلد کے معنی Slave of habit کسی طرح نہیں ہو سکتے اگر یہ جملہ صحیح بھی مان لیا جائے تو	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
				تو اُس کا اطلاق اُس شخص پر ہوگا جو کسی کا پیرو نہو بلکہ اپنی عادت کے موافق کام کرتا ہو۔	
۲۴	۲	۵	پس	متروک	لہذا۔ اسواسطے۔ اسلئے
۵	۲	۷	ہر ممکن ذریعہ سے	غلط محاورہ All possible methods کا ترجمہ	جسطرح بھی ممکن ہو۔ ہر امکانی طریقہ سے
۲۶	۲	۹	مختفی ہ	غلط محاورہ۔ ایک ثقیل عربی حرف "ہ" کے پہلے بالکل بے ربط معلوم ہوتا ہے۔	ہائے مختفی
۲۷	۲	۱۰	تلفظ سے بحث ہو	اردو زبان میں بحث اس معنی میں نہیں استعمال ہوتا ہے۔	(۱) تلفظ کا تعلق ہو۔ (۲) تلفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے
۲۸	۲	۱۱	فارسی کی چیز ہے	"چیز" کو اس معنی میں استعمال کرنا بالکل غلط ہے۔ غالباً معزز مضمون نگار نے چیز کا وہی مفہوم سمجھا ہے جو انگریزی لفظ Thing کا ہے۔ یہ ویسی ہی غلطی ہے جو غیر اردو داں حضرات کیا کرتے ہیں۔ یعنی پہلے کسی خاص محاورے کی وجہ سے Thing کو چیز کا مترادف قرار دیکر "چیز" کو ہر اُس جگہ پر استعمال کر دیا جہاں انگریزی لفظ Thing استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ایک بچہ A fat rat سے "Fat" کا مفہوم موٹا اخذ کرلے اور اس مفہوم کی بنا پر موٹی کتاب کا ترجمہ "A fat book"	(۱) فارسی کا حرف ہے (۲) ایک حرف ہے جو فارسی کے لئے مخصوص ہے۔ (۳) اصل میں فارسی ہے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۲۹	۲	۱۲	ابتدا یا بیچ	محاورہ کے خلاف ہے۔ عربی اور ٹھیٹ ہندی الفاظ کو ایک ساتھ جمع کر دینا غیر فصیح ہے۔ علاوہ اس کے لفظ بیچ متروک ہے	شروع یا درمیان
۳۰	"	۱۴	بعضے فارسی لفظ	دیہاتیوں کی زبان ہے۔ بعضے بالکل غلط ہے۔ لفظ کو جمع میں لکھنا چاہئے۔	بعض فارسی الفاظ
۳۱	"	۱۴	کہ ان کے	کہ۔ انکے سراسر غلط ہے۔ اردو میں یہ ترکیب ناجائز ہے۔	جن کے
۳۲	"	۱۵	آخر میں ایک ک تھا	ایک زائد ہے۔ غالباً INDEFINITE ARTICLE کا ترجمہ ہے۔	آخر میں ک تھا
۳۳	"	۱۴ اور ۱۵	البتہ بعضے فارسی لفظ ایسے ہیں کہ پرانی فارسی زبان میں انکے آخر میں ایک ک تھا	نشست الفاظ ناموزوں ہے۔ اردو میں یہ ترکیب ناجائز ہے۔	البتہ فارسی قدیم پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض فارسی الفاظ کے آخر میں ک تھا۔
۳۴	"	۱۶	اور پھر گر گیا	اور پھر دونوں حروف عطف ہیں۔ انکا استعمال ایک ساتھ ناجائز ہے۔ گر گیا زیادہ فصیح نہیں ہے۔	پھر ساقط ہو گیا پھر گرا دیا گیا
۳۵	"	۱۶ اور ۱۷	تو وہ بغیر کسی دقت کے قائم رہا۔	دقت کا استعمال غیر ضروری ہے۔ اردو میں دقت کا مفہوم انگریزی لفظ (DIFFICULTY) کے مفہوم سے مختلف ہے۔ انگریزی میں کہہ سکتے ہیں WITH OUT ANY DIFFICULTY مگر اردو میں اس کا لفظی ترجمہ غیر فصیح ہے۔	تو وہ اسی طرح قائم رہا

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۳۶	″	۱۸	دقت ان لفظوں کی کتابت میں آپڑی	اول تو اس میں تعقید ہے۔ دوسرے "آپڑی" دیہاتی محاورہ ہے۔	ان لفظوں کی کتابت میں البتہ دقت ہوئیگی۔
۳۷	۲	۱۹	عام قاعدوں کے بموجب	یہ لفظ "حکم" کے ساتھ مستعمل ہے۔ بموجب حکم کے	عام قاعدوں کے موافق
۳۸	″	۲۰، ۲۱	مثال کے طور پر صرف ایک لفظ کو لیجیے بندہ پرانی فارسی زبانمیں بندک ... تھا	یہ اس فقرے کا ترجمہ ہے (FOR EXAMPLE)۔ TAKE A WORD اردو میں ایسا کوئی محاورہ نہیں ہے "مثال کے طور پر" قطعاً غلط ہے۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے مثلاً بولتے ہیں۔ اردو زبان میں "لیجیے" کبھی SUPPOSE کے معنی میں نہیں استعمال ہوتا۔ یہ بھی ویسے ہی غلطی ہے کہ ایک آدمی کسی خاص محاورے کی بناء پر "لینے" کو TAKE کا مترادف قرار دے۔ اُسکے بعد لفظ "لینا" کو ہر اُس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے استعمال کرے جس کے واسطے زبان انگریزی میں (TAKE) استعمال ہوتا ہے مثلاً TAKE FOOD کا ترجمہ "کھانا لیجیے" کرے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ "لفظ کو لیجیے" کی غلط ترکیب صحیح ہے تو محاورہ زبان کے اعتبار سے "کو" غلط ہو جائے گا۔ اُس حالت میں یوں لکھیں گے۔ صرف ایک لفظ لیجیے۔	اس طویل اور غیر فصیح فقرے کی جگہ پر صرف ایک لفظ مثلاً کافی ہے۔ مثلاً "بندہ" پرانی فارسی میں .... تھا یا صرف ایک مثال لکھنا کافی ہے۔ بندہ پرانی فارسی میں ..... تھا۔
۳۹	۳	۲	کوئی فرق نہ رہا	کوئی کا استعمال خلاف محاورہ ہے۔ اردو زبان میں کچھ اور کوئی کے استعمال میں فرق ہے۔	کوئی فرق نہ باقی رہا۔ کچھ فرق نہ رہا

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۴۰	۳	۴	عربی حرف اختیار کیے گئے۔	خلافِ محاورہ۔ "حرف" کو جمع میں لکھنا چاہیے۔	(۱) عربی حروف اختیار کیے گئے (۲) جب کتابت عربی حروف میں ہونے لگی۔
۴۱	"	۴	تو فکر ہوئی	خلاف محاورہ۔ اس معنی میں فکر نہیں مستعمل ہے۔	(۱) تو خیال کیا گیا (۲) اس مسئلہ پر غور کیا گیا
۴۲	"	۴	اخیر حرف	دیہاتی زبان	آخری حرف
۴۳	"	۴ اور ۵	تو فکر ہوئی کہ اخیر حرف کی حرکت کو جو تلفظ میں آتی ہے تحریر میں کیونکر ظاہر کریں	بندش بالکل غیر فصیح ہے۔ یہ غالباً زبان انگریزی کی اثر پذیری کا نتیجہ ہے۔ زبان اردو میں کیونکر اور کس طرح کے مفہوم میں فرق ہے۔ یہ موقع "کس طرح" کا ہے۔	تو اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ یہ آخری حرف حرکت جو تلفظ میں آجاتی ہے تحریر میں کس طرح ظاہر کی جائے
۴۴	"	۵ اور ۶	تدبیر یہ ٹھری	خلاف محاورہ۔ لفظ تدبیر کے ساتھ "ٹھرنا" نہیں استعمال ہوتا۔ البتہ صلاح کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً صلاح یہ ٹھری۔	یہ طریقہ اختیار کیا گیا یہ تدبیر سوجھی
۴۵	۳	۸	اصلی ہ	یہ ایک مبہم لفظ ہے۔ اصل میں ہائے مختفی اور نیز ہائے ملفوظ دونوں اصلی حروف ہیں۔ اس معنی میں لفظ "اصلی" کا استعمال کرنا سراسر غلط ہے۔	ہ جس کا تلفظ بحیثیت ایک علیحدہ حرف کے کیا جاتا ہے اسکو ہائے ملفوظ کہتے ہیں۔
۴۶	"	۹	ذکر نہیں آتا	غلط محاورہ	ذکر نہیں ہے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۴۷	۳	۱۰	اشارہ کر دیا گیا ہے کہ فلاں لفظ کے	اس میں دو فاش غلطیاں ہیں (۱) خلافِ محاورہ ہے۔ غالباً یہ انگریزی محاورہ It has been pointed out کا ہے اردو میں اشارہ اس معنی میں نہیں استعمال ہوتا (۲) اردو زبان میں ایسی شاید کوئی مثال نہ ملے گی۔ جس میں فعل کے بعد فاعل آتا ہو۔	یہ بات واضح کر دی گئی ہے
۴۸	〃	۱۰ اور ۱۱	فارسی لغت کی اکثر کتابوں میں ہر موقع پر اشارہ کر دیا گیا ہے کہ فلاں لفظ کے آخر میں جو "ہ" ہے وہ "مختفی ہے یا ملفوظ"	بندش مہمل نشست الفاظ ناموزوں۔ عبارت بے ربط۔ یہ قطعاً نہیں معلوم ہوتا کہ یہ زبان اردو ہے۔ ایسے موقع پر لفظ "فلاں" استعمال کر کے مفہوم ادا کرنا بالکل نامناسب ہے اس مفہوم کو یوں ادا کرنا چاہیئے "فارسی لغت کی اکثر کتابوں میں ہر اُس لفظ کے سامنے جس کے آخر میں ہ ہوتی ہے یہ صاف صاف تحریر ہے کہ وہ "ہ" "مختفی" ہے یا "ملفوظ"۔ اسکو یوں بھی کہہ سکتے ہیں "فارسی لغت کی اکثر کتابوں میں جب کسی لفظ کے آخر میں ہ ہوتی ہے تو اس کی توضیح بھی تحریر کر دی جاتی ہے۔ یعنی وہ (ہ) مختفی ہے یا ملفوظ۔	اعتراض کا کالم ملاحظہ ہو
۴۹	〃	۱۲	فارسی میں بھی املا کے متعلق احتیاط برتی جاتی ہے	لفظ "بھی" سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ فارسی کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی املا کے متعلق احتیاط برتی جاتی ہو۔ اور چونکہ اُن زبانوں کا ذکر اس فقرے میں نہیں ہے۔ اسلئے "بھی" کا استعمال غلط ہو اُردو زبان میں "بھی" کے پہلے ایک دوسرے جملے کا ہونا ضروری ہو شلاً لکھنؤ میں ایسا ہوتا ہو اور الہ آباد میں بھی ایسا ہوتا ہو۔	فارسی میں املا کے متعلق بہت احتیاط برتی جاتی ہے
۵۰	〃	۱۴	لکھدیا	غلط صیغہ	لکھدیا کرتے ہیں

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۵۱	۳	۲۵	اردو والے	ملاحظہ ہو اعتراض نمبر ۱۴	
۵۲	"	۱۵	خیال رکھتے تھے	جملہ غیر مکمل۔ اس کے بعد ایک اور فقرہ لیکن سے شروع ہونا چاہیئے۔	بہت خیال رکھتے تھے لیکن اب
۵۳	"	۱۶	لائق	خلاف محاورہ	قابل
۵۴		۱۷	فارسی والوں نے	ملاحظہ ہو اعتراض نمبر ۱ غالباً یہ بندش انگریزی لفظ BRITISHER کے تخیل کی وجہ سے گڑھی گئی ہے۔	اہل فارس۔ فارسی داں حضرات
۵۵	۴	۱۷	بہت سارے لفظ	(۱) لفظ "سارے" دیہاتی زبان ہے (۲) لفظ کو جمع میں لکھنا چاہیئے۔	بہت سے الفاظ
۵۶	"	۲۰	آگے والے حرف نے	انگریزوں کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ "اچھے والا۔ بڑے والا" اردو والے۔ آگے والے۔ پیچھے والے۔ یہ سب الفاظ غلط ہیں۔	اگلے حرف نے۔ بعد کے حرف نے
۵۷	"	۲۱	بہت سے معرب لفظوں میں دکھائی دیتا ہے۔	اردو زبان میں "دکھائی دیتا ہے" صرف آنکھوں سے دیکھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وہ اندھا ہے اُسے نہیں دکھائی دیتا ہے۔ اس موقع پر دیکھا جاتا ہے۔ استعمال کرنا چاہیئے مگر یہ بھی بہت زیادہ فصیح نہیں۔	بہت سے معرب لفظوں میں پایا جاتا ہے۔
۵۸	"	۲۲	جو لفظ عربوں نے لئے	لفظ کو جمع میں لکھنا زیادہ فصیح ہے	جو الفاظ عربوں نے لئے

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۵۹	۳	۲۴	پس	متروک	لہذا۔ اسلئے۔ اسواسطے
۶۰	"	۱۸ نہایت ۲۵	(فٹ نوٹ)	اس فٹ نوٹ کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ لہذا بابو نج شاہترج۔ کوسج۔ رندج وغیرہ سب فضول ہیں۔	
۶۱	۴	۲	عربوں کے ہاں	خلاف محاورہ۔ غالباً AMONG THE ARABS کا ترجمہ ہے۔	زبان عربی میں۔ زبان عربی کے طرز تحریر میں
۶۲	"	۲	ہاں	متروک	وہاں
۶۳	"	۲	بعضے	دیہاتی زبان ہے	بعض
۶۴	"	۵	آخر میں آپڑتا ہے	خلاف محاورہ۔ آپڑنا اُسوقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی چیز اچانک ہو۔	آخر میں ہوتا ہے آخر میں آتا ہے
۶۵	۴	۶	ملفوظ ہ	غلط محاورہ	ہائے ملفوظ
۶۶	"	۷	تلفظ گہرا نہیں ہوتا	خلاف محاورہ DEEP WELL DEEP WATERS میں "گہرا" اور DEEP کا مفہوم ایک ہے۔ لیکن اردو بول میں ایسا نہیں ہے۔	زیادہ واضح نہیں ہوتا
۶۷	"	۷	کسواسطے کہ	عجیب بندش ہے اور بالکل خلاف محاورہ ہے۔ خدا جانے کس زبان کا ترجمہ ہے۔	چونکہ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۶۸	״	۷	آواز کا زور اُس پر ختم ہوتا ہے	Force of the sound کا ترجمہ ہے۔ اُردو میں ایسا کوئی محاورہ نہیں۔	چونکہ آواز اُس پر ختم ہوتی ہے۔
۶۹	״	۸	اور اس وجہ سے دھیما پڑ جاتا ہے	غالباً یہاں "زور" سے مطلب ہے۔ اس میں ذم کا پہلو ہے کسواسطے اور اسوجہ کی ترکیب بالکل غیر مانوس ہے	اصلاح نمبر ۷۰ میں ہے۔
۷۰	״	۷ اور ۸	کسواسطے کہ آواز کا زور اُس پر ختم ہوتا ہے اور اس وجہ سے دھیما پڑ جاتا ہے	بندش نامناسب ہے۔ الفاظ بے ربط ہیں۔ یہ جملہ اُردو کا نہیں معلوم ہوتا ہے۔	چونکہ آواز اُس پر ختم ہوتی ہے۔ اسلئے اسکا اثر بہت ضعیف اور ہلکا ہوتا ہے
۷۱	״	۹	یہ چیز انکی تحقیق سے بہت ملتی جلتی ہے۔	اس جملہ میں بھی معزز مضمون نگار صاحب نے "چیز" کے وہی معنی سمجھے ہیں، جو انگریزی لفظ Thing کے ہیں۔ اُردو زبان اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے چیز کبھی نہیں استعمال کرتے ہیں	یہ بات اُن کی ہائے تحقیق سے بہت ملتی جلتی ہے۔
۷۲	״	۱۲	کہیں کہیں لفظ کو دونوں سانچے میں ڈالدیا	لفظ کے پہلے حرف اشارہ ہونا چاہیئے	کہیں کہیں ایسے لفظ کو سانچے میں ڈھال دیا۔
۷۳	״	۱۶	یہ مانوس لفظ	غالباً چھپائی کی غلطی ہے "لفظ" کو جمع میں لکھنا چاہیئے۔	یہ مانوس الفاظ
۷۴	״	۱۷ و	جو فارسی والوں نے اختیار کیا تھا۔	(۱) فارسی والونکی ترکیب غلط ہے (۲) "اختیار کیا تھا" غیر فصیح ہے غالباً معزز مضمون نگار صاحب نے انگریزی جملہ Persian had adapted کا ترجمہ کیا ہے۔	جو اہل فارس کا تھا

نمبر شمار	صفحہ	سطر	الفاظ غلط	اعتراضات	اصلاح
۷۵	۴	۱۸	اسطرح اُردو میں مختفی ہ فارسی اور عربی لفظوں کے ساتھ مخصوص ہے	غالباً معزز مضمون نگار صاحب نے یوں سوچا ہو THUS IT IS (CLEAR) ورنہ اُردو میں تو کوئی جملہ "اس طرح" سے نہیں شروع ہوتا۔	اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو میں ہائے مختفی فارسی ... ہے۔
۷۶	״	۲۰	کوئی ہنجار نہیں قائم کیا۔	"ہنجار" نامانوس لفظ ہے اور اُس پر طرہ یہ کہ "ہنجار" کے ساتھ "قائم" لکھا گیا ہے۔	کوئی طریقہ نہیں مقرر کیا
۷۷	״	۲۰	نتیجہ یہ ہوا	غیر فصیح	جسکا یہ نتیجہ ہوا۔
۷۸	״	۲۰	بدمذاقی پھیلی	یہ بدمذاقی نہیں ہے۔ کسی خوبی یا لطافت کے احساس میں کمی آجانے کا نام بدمذاقی ہے۔ یہاں لفظ "بدمذاقی" کا استعمال سراسر غلط ہے۔	
۷۹	״	۲۲	اُس حرف کا نمائندہ	"حرف کا نمائندہ" کہنا بالکل غلط ہے۔ کسی انسان کا نمائندہ ہوتا ہے مگر کسی غیر مدرک چیز کا نمائندہ ہونا ناممکن ہے اگر کوئی شخص کسی کو منتخب کرکے اُس کو اس بات کا حق دیدے کہ وہ شخص اُس کی جگہ پر جو کارروائی کرے گا وہ اُسی منتخب کرنیوالے کی کارروائی سمجھی جائیگی تو ایسے منتخب شدہ شخص کو اُس آدمی کا نمائندہ کہیں گے۔ "حرف" میں انتخاب کرنیکی قابلیت نہیں ہے۔ اسلئے اسکا نمائندہ نہیں ہوسکتا۔ لفظ نمائندہ کو (SUBSTITUTE) کے معنی میں استعمال کرنا زبانِ اُردو کی فاش غلطی ہے۔	(۱) اس حرف کی جگہ (۲) اُسکا قائم مقام

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۸۰	۴	۲۳	بعضے	اس پر اعتراض ہو چکا ہے	بعض
۸۱	"	۲۴	اردو والے	اعتراض ہو چکا ہے	اردو داں حضرات
۸۲	"	۲۴	سند نہیں پکڑ سکتے	"سند پکڑنا" خلاف محاورہ ہے۔	اسکو سند نہیں قرار دے سکتے۔ یہ اردو داں کیلئے سند نہیں ہو سکتی
۸۳	۵	۱	ہندی لفظ تو ایک طرف رہے۔	(۱) "لفظ" جمع میں لکھنا چاہیئے۔ (۲) "تو ایک طرف رہے" محاورہ کے خلاف ہے۔ اردو زبان میں اس مفہوم کے ادا کرنے کا دوسرا طریقہ ہے۔ یہ عجیب فقرہ اس انگریزی فقرہ کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے۔ LEAVING ASIDE ALL THE HINDI WORDS	اگر ہندی الفاظ ہائے مختفی سے لکھے گئے تو چنداں تعجب نہیں ہے۔
۸۴	"	۲	طرہ یہ کہ	اول تو اس محاورہ کا غلط استعمال کیا گیا ہے۔ اصل میں محاورہ یوں ہے "اُس پر طرہ یہ کہ" دوسرے یہاں پر اس محاورہ کا موقع نہ تھا۔ جب ایک مفہوم ادا کر دیا جاتا ہے تو اُس مفہوم کو پُر زور بنانے کے لئے یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ اسکی مثال یہ ہے "آپ اُردو نہیں جانتے اُس پر طرہ یہ کہ آپ قواعد زبان مرتب کر رہے ہیں۔"	(۱) لطف یہ ہے (۲) یہ عجیب تماشا ہے
۸۵	"	۳	جن کے آخر میں الف ہے وہ ے سے لکھے جانے لگے	پہلے جملے میں حال کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور دوسرے میں ماضی کا یا تو "ہے" کو بدل کر "تھا" کیا جائے اور "یا جانےلگے"	....تھا.... جانے لگے ....ہے.... لکھی جاتی ہیں

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
				کی جگہ ”پڑ جاتے ہیں“ لکھا جائے۔ عجیب بندش ہے جسکی نظیر اُردو لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔	
۸۶	۵	۳	قاعدہ اس کا یوں ہے	اس فقرے میں قریب قریب ہر لفظ بے قاعدہ استعمال ہوا ہے (۱) تعقید۔ ”اس کا قاعدہ“ یوں ہونا چاہیئے۔ (۲) ایسے موقع پر ”اسکی جگہ“ ”اِس“ بولتے ہیں۔ (۳) یوں کا استعمال غلط ہے۔ یہ ہونا چاہیئے۔ (۴) یہ جملہ مضمون کے اعتبار سے بھی غلط ہے کیونکہ یہ قاعدہ پہلے سے نہ تھا۔ اسکو تو معزز مضمون نگار صاحب نے خود بنایا ہے۔ لہذا پورے جملے کے الفاظ کے بدلنے کی ضرورت ہے۔ غرضکہ اس ایک چھوٹے سے فقرے میں زبان۔ قواعد اور مضمون تینوں کی غلطیاں موجود ہیں۔	میری رائے میں اس کا قاعدہ یہ ہونا چاہیئے۔
۸۷	”	۴	ہندی لفظ ہو تو الف سے لکھا جائے	ہر کلیہ کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ اُس کے الفاظ جامع ہوں۔ اور اُن میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔ اس قاعدے پر غور کرنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ایک ہندی لفظ کے شروع یا آخر میں کوئی حرف کیوں نہ ہو اُسکو ہمیشہ الف سے لکھنا چاہیئے۔ اب الف سے لکھنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اُس کے شروع میں الف لکھا جائے یا آخر میں۔ مثلاً کدو ایک ہندی لفظ ہے اسکو اس کلیہ کی بنا پر ہمیشہ الف سے لکھنا چاہیئے۔ چنانچہ ”کدو“ کو ”کدوا“ لکھنا چاہیئے۔ ہر قاعدے کو ایسے الفاظ میں بیان کرنا چاہیئے کہ اُس سے کوئی دوسرے معنی نہ نکل سکیں۔ زبان پر قدرت رکھنے کے یہی معنی تھے	وہ ہندی الفاظ جنکا تلفظ ”آ“ یا اُس کے ہم آہنگ آواز پر ختم ہوتا ہو اُن کو ہمیشہ الف سے لکھنا چاہیئے۔

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۸۸	"	۵	کسواسطے کہ یہ نام ہیں ہمیشہ سے یوں ہی لکھے جاتے ہیں	معزز مضمون نگار صاحب نے اس جملہ میں تو کمال کر دیا ہے وہ عجیب بندش اختیار کی ہے جس سے شاید کوئی اردو داں آج تک واقف نہ ہو۔ اور لطف یہ ہے کہ اس جملہ میں جو دو فقرے ہیں اُنکے درمیان کوئی حرف عطف بھی نہیں۔ بہت غور کرنے کے بعد یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ عجیب جملہ عربی تخیل کا نتیجہ نہ ہو۔ لِاَنَّ هٰذِهٖ اسماءٌ تُكتَبُ دائمًا هٰكذا	جو اسم معرفہ ہونیکی وجہ سے ہمیشہ یوں ہی لکھے جاتے ہیں۔
۸۹	"	۶	جتنے لفظ ہیں	جمع میں لکھنا زیادہ فصیح ہے	الفاظ........
۹۰	"	۶	ناموں کے سوا	اس موقع پر "علاوہ" لکھنا چاہیئے	مقاموں کے ناموں کے علاوہ
۹۱	"	۴ لغایت ۷	(سوا بعض مقاموں کے ناموں کے جیسے آگرہ۔ پٹنہ۔ کلکتہ کسواسطے کہ یہ نام ہیں ہمیشہ سے اسیطرح لکھے جاتے ہیں) مقاموں کے ناموں کے سوا جتنے لفظ ہیں انکو الف ہی سے لکھنا چاہیئے۔	یہ جملہ یوں لکھنا چاہیئے تھا:- وہ ہندی الفاظ جنکا تلفظ "آ" یا اُسکے ہم آہنگ آواز پر ختم ہوتا ہے۔ اُس کو ہمیشہ الف سے لکھنا چاہیئے۔ البتہ بعض مقاموں کے نام مثلاً آگرہ۔ پٹنہ۔ کلکتہ وغیرہ جن کو لوگ "ہ" سے لکھتے چلے آئے ہیں۔ ان کو اب بھی "ہ" ہی سے لکھنا چاہیئے۔ مقاموں کے علاوہ اور سب الفاظ کو الف سے لکھنا چاہیئے۔	
۹۲	"	۱۲	زیور جسے عورتیں	زیور کیلئے باندھنا نہیں استعمال ہوتا بلکہ پہننا استعمال ہوتا ہے	(۱) زیور جسے عورتیں صرف

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۹۲	۵	۱۲	صرف ایک ہی بازو پر باندھتی ہیں۔	ہے۔ عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معزز مضمون نگار صاحب نے فیلولوجی کی بنا پر لفظ ایک کے مفہوم سے یہ سمجھ لیا کہ عورتیں اکہ صرف ایک ہی بازو میں پہنتی ہیں۔ اصل میں اکہ میں صرف ایک نگ ہوتا ہے اسلئے اس کو اکہ کہتے ہیں۔ بعض عورتوں کے پاس دو دو اکے ہوتے ہیں۔ اور وہ انکو دونوں بازوؤں پر باندھتی ہیں بعض عورتیں ایک ہی بازو پر دو دو اکے باندھتی ہیں۔	ایک ہی بازو میں پہنتی ہیں (۲) اکہ ایک زیور ہے جسے عورتیں صرف ایک ہی بازو پر باندھتی ہیں۔ (نوٹ) دو دو کے مجموعے میں باندھنا لکھ سکتے ہیں کیونکہ اس میں باندھنا اکہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔
۹۳	۵	۱۰	ہمارے اردو لفظ ایک سے بنا ہے	(۱) لفظ ہمارے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ لفظ بھرتی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ کچھ بے ربط سا ہے۔ (۲) علاوہ بریں اس جملہ کا فاعل محذوف ہے۔ اسلئے بندش چست نہیں ہے۔	غالباً یہ اردو لفظ ایک سے بنا ہے
۹۴	〃	۱۰	فارسی میں یہ لفظ گاڑی کے معنی میں موجود بھی نہیں	اس جملہ میں لفظ "موجود" کا غلط استعمال ہوا ہے۔ غالباً انگریزی لفظ (TO EXIST) کے مفہوم نے دھوکا دیا ہے۔	فارسی میں یہ لفظ گاڑی کے معنی میں مستعمل نہیں ہے۔
۹۵	〃	۱۳	جس میں ایک ہی بڑا نگینہ ہوتا ہے۔	اس فقرے سے اصلی مفہوم نہیں ادا ہو سکا۔ اس عبارت کے یہ معنی ہیں "کہ اس میں نگینے تو بہت سے ہوتے ہیں مگر سب چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ البتہ ایک نگینہ بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اُردو میں اس مفہوم کو ادا کرنے کا دوسرا طریقہ ہے۔	جس میں ایک ہی نگینہ ہوتا ہے اور وہ کافی بڑا ہوتا ہے۔
۹۶	۵	۱۶	مرکبوں میں بھی	اُردو زبان میں "مرکب" کبھی اس معنی میں نہیں استعمال	

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط الفاظ	اعتراضات	اصلاح
۹۶	۵	۱۶	آتا ہے۔	ہوتا ہے۔ مرکب اُسے کہتے ہیں جو کئی مختلف مادی اشیاء سے ملکر بنے۔ اس کے پہلے لفظ "اسم" کہنا بہت ضروری ہے ورنہ معنی میں فرق آجائے گا۔	اسمائے مرکب میں بھی پایا جاتا ہے

خورشید احمد۔ ام اس سی

نوٹس نسبت دکھانے وجہ کی (نمونہ عام)

بعدالت جناب منصف صاحب بہادر قیصر گنج مقام بہرائچ

مقدمہ نمبر ۱۴۶ سنہ ۱۹۳۱ء متفرقات۔ خفیفہ

ٹھاکر غلام مصطفےٰ خاں ولد جنگی خاں } اقوام پٹھان نومسلم ساکنان طاہر پور داخلی مغلہا پرگنہ قمر پور عذرداران
محمد فاروق ولد ٹھاکر عبدالواحد خاں }

بنام۔ ۱۔ مساۃ دین دی بیوہ ملچھند شاہ قوم لقال ساکن بہرائچ محلہ مغل پورہ ڈگریدار

۲۔ الٰہی بخش ولد فتح محمد قوم پٹھان ساکن موضع حسین پور علاقہ پرگنہ قمر پور مدیوں

ہرگاہ مسمی ٹھاکر غلام مصطفےٰ خاں وغیرہ نے درخواست اس عدالت میں گذرانی ہے کہ جس کا منشا منسلکہ ہے لہذا تم کو اطلاع دیجاتی ہے کہ تم اصالتاً یا معرفت کسی وکیل کے جو حالات مقدمہ سے بخوبی واقف ہو بوقت ۱۰ بجے دن بتاریخ ۴ ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء اس عدالت میں حاضر ہوکر درخواست کے خلاف وجہ دکھاؤ۔ اگر ایسا نہ کروگے تو درخواست مذکور تمہاری غیر حاضری میں سماعت کی جاویگی۔

بتاریخ ۱۶ ماہ مئی سنہ ۱۹۳۱ء میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

مہر عدالت

دستخط حاکم بخط انگریزی

وقت حاضری دفتر منصف صاحب بہادر بہرائچ ۱۰ بجے سے ۴ بجے تک

ایثار

موسم سرما کی ایک تاریک رات میں، اتفاقاً، قاہرہ کے ایک بلند مرتبہ رئیس کا گزر ایک تنگ و تاریک گلی میں ہوا، اس نے ایک شکستہ دیوار کے نیچے ۱۴-۱۵ سال کی ایک نوعمر دوشیزہ کو سربگریباں دیکھا، اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اس سخت سردی سے اسے محفوظ رکھ سکتی اس کے تقریباً عریاں جسم پر کچھ نشانات تھے، جو بظاہر کوڑوں کے معلوم ہوتے تھے۔

وہ رئیس یہ منظر دیکھ کر خاموش کھڑا ہو گیا، فقر و شکستگی کے اس دل ہلا دینے والے منظر نے اس کے دل و دماغ پر غیر معمولی اثر کیا، پھر وہ اس کی جانب بڑھا اور نہایت رفق و ملائمت سے اسنے اس نازک اندام لڑکی کا بازو ہلایا، اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا سر اٹھایا، اس طرح کہ وہ فرار پر بالکل تیار معلوم ہوتی تھی، اور نہ معلوم کیا سمجھ کر اس نے بیساختہ کہا۔

"میں اب واپس نہیں جا سکتی"۔

لیکن اس شخص کی تسکین و تسلی سے رفتہ رفتہ اس کا ڈر غائب ہو گیا اور کچھ کچھ اس کی وارفتہ طبیعت سکون پذیر نظر آئی، اس نے ایسا محسوس کیا کہ غالباً یہ شخص وہ نہیں ہے جس کے تخیل نے اس سے کہلوا دیا تھا کہ "میں اب واپس نہیں جا سکتی"۔ اس احساس کے بعد اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن سے اطمینان ٹپک رہا تھا۔

"میں تمہارا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

"محترم بزرگ! میں نہیں جانتی کہ میرا نام کیا ہے؟"

"اچھا تمہیں کیا کہکر پکارتے ہیں؟"

"لوگ تو کہتے ہیں کہ مجھ مجہول الحال کو کہیں سے اٹھا لایا گیا تھا۔"

"کیا یہ صحیح ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتی، ہاں اتنا جانتی ہوں کہ میں اپنے ماں باپ سے صحیح طور سے واقف نہیں ہوں اور نہ یہ کہ وہ ہیں یا نہیں؟ مگر ایک آدمی سے واقف ہوں، جس نے میری پرورش کی، پالا، پوسا، اور اپنے

میں رکھا، اسی کو میں اپنا باپ سمجھتی تھی، اسے دیکھ کر میرا دل محبت و سرور کی لہروں سے لبریز ہو جاتا تھا، لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ وہ مجھ پر طرح طرح کے عذاب توڑتا ہے، اور ایسی نت نئی تکلیفیں برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے جو کوئی باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ روا نہیں رکھ سکتا تو میں نے محسوس کیا کہ اس کارگاہ عالم میں، میں تن تنہا ہوں، میرا نہ کوئی باپ ہے نہ ماں، نہ والی ہے نہ وارث، نہ ہمدرد ہے نہ غمگسار، باہر جب کسی لڑکی کو میں دیکھتی تو اس سے پوچھتی تمہارے ماں ہے؟ وہ جواب دیتی "کیوں نہیں۔ ہماری اماں ہمیں بہت چاہتی ہیں، پیار کرتی ہیں، پیسے دیتی ہیں، اگر ہمیں کوئی مارتا ہے تو وہ اس سے خفا ہو جاتی ہیں، ہماری اماں بڑی اچھی ہیں۔" میں یہ افسانہ سنتی تو میرے غم و الم میں اور اضافہ ہو جاتا۔ میرا دل یاس و حرمان سے بھر جاتا، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگتی کہ میرا وجود خود ایک مستقل عذاب ہے، کسی سخت گناہ کی پاداش میں، میں ننگ وجود بنا کر اس عالم آب و گل میں بھیجی گئی ہوں، اور شاید خدا اس کا انتقام میرے اس ناپاک وجود ہی سے لینا چاہتا ہے۔

ایک زمانہ ہو گیا، اور میں اپنی حالت پر قانع رہی، اس کا جور و ستم روز افزوں تھا، اور میرا صبر و شکر، آخر جب اس نے محسوس کر لیا کہ میری جبین نیاز اس سنگ در کے علاوہ کوئی اور سنگ آستان نہیں تلاش کر سکتی، تو اس کا جذبۂ جور پسندی اور ترقی کر گیا، یہاں تک کہ اب وہ مجھے سخت زد و کوب کرنے لگا، اگر معمولات کے ادا کرنے میں مجھ سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو میرا پٹنا ایک لازمی امر تھا، اس روح فرسا ستم کو بھی میں خاموشی سے برداشت کرتی رہی، تا آنکہ آج کی یہ رات درد و مصیبت کا خاص پیغام لے کر آئی، واقعہ یہ ہوا کہ آج وہ شخص کچھ ایسے سرمستی کے عالم میں آیا، اور اس نے کچھ ایسی باتیں کیں، کہ مجھے محسوس ہوا وہ اپنے جذبۂ حرص و ہوس کو پورے طور پر "بروئے کار" لانا چاہتا ہے اور میرے ننگ ناموس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس جوہر کو کھو دینے کے بعد میرے پاس باقی کیا رہ جاتا؟ مجبوراً میں نے فرار اختیار کیا اس طرح کہ کوئی میری جائے قرار نہ معلوم کر سکے، میں راستہ سے ناواقف ہونے کے باوجود برابر چلتی رہی۔ یہاں تک کہ میں نے اس گلی میں پناہ لی، جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں، دو روز گذر چکے ہیں کہ میرے کام و دہن لطف ذائقہ سے محروم ہیں، کیا آپ کی عنایت سے مجھے "نان خشک" میسر آ سکتی ہے کہ میرے پانی پینے کا سہارا ہو جائے؟

اس آدمی نے مصیبت زدہ لڑکی کی یہ داستان عبرت سنی اس پر کچھ ایسا تاثر طاری ہوا کہ وہ "اپنے گریۂ بے اختیار" کو ضبط نہ کر سکا، اس کے گالوں پر آنسو موتی کی طرح ڈھلک رہے تھے، اس نے اس مصیبت زدہ اور دل فگار لڑکی کا بازو پکڑا، اور بلا کچھ کہے ہوئے روانہ ہو گیا، اپنے مکان پر پہونچکر اسنے

نہایت شریفانہ برتاؤ کیا، اور اپنے حسن سلوک سے اسے باور کرا دیا کہ اس سے زیادہ وہ کسی چیز کی تمنا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس شخص کے مکان میں اس طرح داخل ہوئی کہ اپنے اخلاق وعادات شکل وشمائل اور حسن وجمال میں اپنی ہمسنوں سے بدرجہا ممتاز تھی، صاحب خانہ سے جو شخص واقف تھا وہ اس لڑکی سے بھی واقف تھا۔ کہ ایک یتیم و بینوا لڑکی ہے، اور یہ گھر اس کا ملجا و ماوٰی ہے۔

صاحب خانہ کے بھی ایک لڑکی تھی۔ جس کی تربیت جدید اطوار واسلوب پر ہوئی تھی۔ یہ صاحبزادی بھی اپنے ذہنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک عجیب وغریب چیز تھیں، آپ کو حسن وعشق کی اخلاق کش داستانیں بہت مرغوب تھیں۔ فیشن کے بارے میں آپ "اسپیشلسٹ" واقع ہوئی تھیں، کہ کون فیشن زیادہ دل کش اور مرغوب طبائع ہے، حسب خواہش جس سے چاہتیں عظمت وبزرگی کا برتاؤ کرتیں جس سے چاہتیں توہین وتذلیل روا رکھتیں، اور پھر اس اصول سے والدین بھی مستثنےٰ نہیں تھے، آپکا قلب خودی، خود بینی، خود نمائی، اور رشک وحسد کے جذبات سے لبریز تھا، کیا مجال کہ آپ کے روبرو کسی اور کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا جا سکے۔ آپ نے جو یہ دیکھا کہ کل کی آئی ہوئی یہ نوخیز چھوکری سب کے دلوں پر عموماً اور پدر بزرگوار کے دل پر خصوصاً اپنا سکہ جما رہی ہے، اپنے خداداد حسن خلق وحسن خلق سے لوگوں کو موہ رہی ہے تو اس سے آپ بغض للّٰہی رکھنے لگیں، لیکن نہایت چالاکی سے اپنے اس جذبۂ فاسد کو اپنی سہیلیوں سے بھی چھپائے رکھا، لیکن اپنے دل میں مستحکم ارادہ کر لیا کہ اگر موقع ہاتھ آ گیا تو چوکوں گی نہیں، زک دیکے رہوں گی۔ ادھر تو جذبۂ فاسد کارفرما تھا، اور ادھر وہ نئی آئی ہوئی اللّٰھڑ چھوکری اپنے ولی نعمت کے جذبۂ شکر وسپاس میں اس قدر غرق تھی کہ ذرا بھی نہ سمجھی کہ ؎

پنہاں ہے دام سخت قریب آشیانہ کے!

کہ ایک روز ایک عجیب واقعہ رونما ہوا،

اتفاقاً صاحب خانہ رات کو بہت دیر میں آیا، بالاخانہ کے زینہ پہ وہ چڑھ رہا تھا کہ اُس کی نظر ایک خط پہ پڑی۔ اُس نے اُسے اُٹھا کر پڑھنا شروع کیا:۔

"حسب وعدہ آج آدھی رات کو پائین باغ میں اُسی سرو
کے درخت کے نیچے تمہارا انتظار کروں گا۔"

ابھی پورے طور سے وہ خط پڑھ بھی نہیں چکا تھا کہ اُسے ساری فضا ہلتی ہوئی معلوم ہوئی، معلوم ہوا کہ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ پھر اپنا دل بہلانے کے لئے اس نے کہا شاید یہ

لڑکی کے نام ہو جسے اُس روز وہ لایا تھا، اور یہ تو بڑی ناانصافی ہوگی کہ بغیر کسی ثبوت کے خود اپنی لڑکی کے متعلق اس قدر سوءظن سے کام لیا جائے۔ پھر اس نے گھڑی دیکھی، آدھی رات قریب تھی، وہ واپس ہوا اور پائیں باغ میں دبے پاؤں درختوں کی آڑ لیتا ہوا اسی درخت کے نیچے پہونچ گیا جہاں وہ جدید عاشق و معشوق ملنے والے تھے وہ چھپ کے بیٹھ گیا اور منتظر رہا کہ اب پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

اس شخص کو تو وہیں چھوڑیئے، اب ادھر کی سنیئے یہ خط درحقیقت اس معصوم لڑکی کا نہیں تھا جو یہاں آکر اپنا دُکھ درد بھول گئی تھی، بلکہ خود صاحب خانہ کی دختر بلند اختر کا تھا، اس وقت صاحبزادی اپنے کمرہ میں سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہوئی آئینہ سے چشمک زنی کر رہی تھیں اپنے بناؤ سنگھار میں مصروف تھیں، اور یہ سوچ رہی تھیں کہ اس وقت کیسا جوڑا پہن کر مقام مقصود کی طرف نہضت فرما ہوں؟ ادھر یہ بیچاری غریب لڑکی مست خواب و شباب تھی، اس کا حسن "حسن بے پروا" تھا "خود بین و خود آرا" نہیں تھا، لیکن اس وقت خلاف معمول اپنے ولی نعمت کی چاپ سنکر وہ بیدار ہوگئی۔ اس خلاف وقت و موقع آہٹ کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آئی، وہ اک طرف کھڑی ہو کر جھانکنے لگی کہ کون ہے؟ یہاں آکر جو اس نے ایک نظر ڈالی تو بیک نظر تمام باتوں سے واقف ہو گئی، اور سمجھ گئی کہ اب کوئی گل کھلا چاہتا ہے؟ یہ دیکھکر اُس نے اپنا سر جھکا کر کچھ سوچنا شروع کیا اور اس بلائے ناگہانی کے دفعیہ کی تدبیر سوچنے لگی، تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنا سر اٹھایا، اس طرح کہ معلوم ہوتا تھا وہ کوئی غیر متزلزل عزم کر چکی ہے۔

اس نے جلدی سے زینہ طے کیا اور صاحبزادی کو دیکھا کہ بن ٹھن کر مقام معہود پر جا رہی ہیں اس نے جھپٹ کر دامن پکڑ لیا تو صاحبزادی گھبرا کے دیکھنے لگیں اور فرمانے لگیں۔

"کیوں کیا ہے؟ تم کیا چاہتی ہو؟ کیا تم میری نگہبان و اتالیق ہو؟"

اس نے کہا "نہیں، میری اتنی مجال کہاں؟ یہ کہکر اُس نے سارا قصہ دہرایا اور یہ بھی بتلا دیا کہ اس وقت اس درخت کے نیچے خود پدر بزرگوار جلوہ فرما ہیں، لیکن اُس نے تسلی دی اور کہا کہ تم مت گھبراؤ، غالباً تمہارے والد کو یہ نہیں معلوم کہ وہ خط کس کے نام ہے، اب تم اپنے کمرہ میں واپس جاؤ اور تمہارے بجائے میں وہاں جاتی ہوں اور مجھے دیکھکر اگر تمہارے متعلق کوئی خیال ہوگا بھی تو دور ہو جائے گا۔

وہ بیگناہ لڑکی زینہ سے اُتر کر اسی درخت کے نیچے پہونچ گئی، اس کے پہونچنے کے بعد اس بدکردار لڑکی کا شریف باپ اپنی جگہ سے نکلا قریب آیا تو اُس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا، اسنے کہا

کیا شکر ہے کہ خدا نے میری عزت رکھ لی اور تو یہاں نظر آئی، میں نے تیرے ساتھ اسی لئے سلوک کیا تھا کہ تو ایسی ناپاک حرکتیں کرے، میں تو اپنی بھولی بھالی لڑکی کو سمجھ رہا تھا کہ اس فعل شنیع کی مجرم وہ ہے تیرا گناہ اس کے سر تھوپ رہا تھا، جو ناکردہ گناہ تھی، بدبخت! تو کسی احسان کی مستحق نہیں، جا دور ہو، میرے گھر کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کر دے۔"

لڑکی نے یہ الفاظ سُنے، اور دامن سے اپنا منھ چھپا کر چپ چاپ نکل کھڑی ہوئی، ایک نہر کے کنارہ پہونچ کر اس نے اپنی پوٹری سے ایک کاغذ نکال کر کچھ لکھا جسکے آخری الفاظ یہ ہیں:-

"اس نے مجھ پر بےحد و نہایت احسانات کئے تھے، میں نے آج اس کا عیب چھپایا، اس کی لڑکی کی جان بچائی اور خود اپنی جان اس معاوضہ میں کھو دی، الحمد للہ"

صبح کو پولیس نے نعش صاحب خانہ کے حوالہ کر دی، نعش دیکھکر اسے بہت صدمہ ہوا، اور وہ بے اختیار رونے لگا، اُسے اپنی گزشتہ حرکت پر سخت ندامت ہوئی پھر تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔

اس کے پاس لڑکی کی کوئی یادگار نہیں باقی رہ گئی تھی، سوا ایک چھوٹی سی پوٹری کے جسے اس نے احتیاط سے اپنے صندوق میں رکھ لیا تھا۔

اس سانحہ کو مدت گزر گئی۔ دن رات میں بدلتے رہے اور رات دنوں میں تبدیل ہوتی رہی، ہفتے مہینے بنے اور مہینوں نے سالوں کی صورت اختیار کی۔ اب رفتہ رفتہ صاحب خانہ کو اپنی صاحبزادی کے اخلاق و کردار کے متعلق زیادہ آگاہی ہوئی، وہ حالات معلوم ہوئے جو اب تک پردۂ خفا میں تھے ان واقعات نے مضمحل اور پژمردہ کر دیا تھا، ایک روز یوں ہی بیکاری میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اُکتا گئی تو اُس نے اپنا صندوق الٹنا پلٹنا شروع کیا۔ اس میں اس لڑکی کی وہ پوٹری بھی نظر آئی جسے اس سے قبل اس نے کھولا بھی نہیں تھا، لیکن ایک خط ملا جسے اس نے پڑھنا شروع کیا اور جب ان الفاظ پر پہونچا جو لڑکی نے جان دینے سے پیشتر لکھے تھے تو اُس پر ایک لرزہ سا طاری ہو گیا۔ ابھی اچھی طرح وہ پڑھ بھی نہیں چکا تھا کہ سب کچھ سمجھ گیا، شدت رنج و الم سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا، یہی غشی اس کے لئے مرض الموت ثابت ہوئی، نہ افاقہ ہونا تھا نہ ہوا، کبھی کبھی ہزیانی کیفیت طاری ہو جاتی، کبھی اچھا ہو جاتا، پھر بیمار پڑ جاتا تا آنکہ اس نے ایک روز اپنی جان، جان آفرین کو سپرد کر دی۔

رئیس احمد جعفری

ریاض آپ اپنے آئینہ میں

(بہ سلسلۂ سابق)

تقدیر بہ یک ناقہ نشاند دو محمل۔

محمل تو ایک ہی تھا جس میں سلمیٰ بھی لیلیٰ بھی۔ محمل کش رکا تو لاری نما نو ساخت نو ایجاد شئے بھی بالا بلند انجن کے ساتھ رُکی۔ اس میں سلامت روی پر یہ وصف مستزاد تھا کہ راؤنڈ ٹیبل کے پُراں نتائج کی طرح کچھ دستوری تحفظات، صناع کی ذہنیت نے غیر نمایاں طور پر اس کے لئے مخصوص کر لئے تھے کہ تصادم اور اتفاقیہ افتاد و حوادث کا اندیشہ نہ رہے۔ اُس زمانہ میں مرکب بادی کا خواب بھی فرضی اڑن کھٹولے کا نام سننے کے سوا۔ کسی نے نہیں دیکھا تھا نہ موجدان امریکا و یورپ کے ذہن میں موٹر کا خیال کبھی آیا تھا۔ البتہ بی بی آسٹن موٹر کے ابتدائی حرفوں نے بہ اعتبار محمل وجود سلمیٰ و لیلیٰ نسبتاً پیشگی کچھ لگاؤ پیدا کر لیا تھا۔

لاری نما کے رکتے ہی بالا بلند انجن کے ڈرائیور نے کہا، محمل کے آخری حصے میں دو نشستیں خالی ہیں۔ ساتھ ہی جانشینان سلمیٰ و لیلیٰ کی منتھی۔ ملائم، نرم آواز نے سامعہ نوازی کی جس سے پہلے برقع و نقاب و توانا ک چہرے چشم تصور کے سامنے آ گئے۔ یا جو برقع و نقاب کی تہوں سے بے کشود نقاب اثر اندازی کر سکتے تھے۔

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی
یہی کم بخت دکھاتی ہے صورت اچھی

اس شعر نے زبان پہ آتے ہی افسانہ از فسانہ خیزد کی ٹھہرا دی ایک واقعہ یاد آ گیا جو پردہ و پردہ دری دبلے پردگی کے ارتقائی مدارج آزادی کے نتائج پر بغیر مبسوط اخباری آرٹکل کے کچھ روشنی ڈال سکتا ہے۔ پردے میں ایسے واقعات دو چار اگر بے پردگی میں فی صدی سے بھی متجاوز۔ ع

وا کن یار خدا ڈھانک لے پردہ تیرا!

تب کسی دور مقام پر ایک ایسے مقتدر بزرگ رئیس کے مکان پر مہمان تھا جس سے خاندانی روابط و تعلقات کی وجہ سے میرا زمانہ طفولیت وہیں گزرا تھا، اب بھی میری خاطر داشت زنانخانے میں ویسی

ہی تھی جیسی بچپن میں گھر کی بیبیاں پرانی ماما میں مجھے اُسی نظر سے دیکھتی تھیں۔ کھانا دونوں وقت۔ دو وقتہ ناشتہ بھی ان اوقات میں کھانے کے تخت یا پلنگ کے قریب ان کی دونوں ناکدخدا صاحبزادیاں دوہری چادر کے پردے میں وہیں آبیٹھتیں اور بیبیاں پردہ نہ کرتیں (اتنا لگاؤ بھی بُرا تھا) ہرچند یہ کانا پردہ یا صرف آنکھ کا پردہ نہ تھا۔ ضروری نوشت وخواند و مسائل کی تعلیم اونچے شریف گھروں میں رواج تھی ابھی یہ کہنے کا موقع دور تھا۔ ؎ ریاض

کھل کھیلنے کو پردہ نشیں پاتے ہیں تعلیم
کچھ آپ زمانے کی ہوا دیکھ رہے ہیں

آواز کا لگاؤ کان کے پردے سے۔ ادب، تہذیب کے حدود میں بے تکلفانہ تھا۔ جو مزاج پرسی اور گھر کے حالات دریافت کرنے میں گو نہ بدنما نہ تھا نہ اس کا موقع دیتا تھا۔ ع

اور کھل کھیلیں گے دو چار ملاقاتوں میں

شرعی و رسمی حجاب کی نگہداشت بہ شدت ملحوظ رہتی۔ عام اس سے کہ اور بیبیاں بیٹھی ہیں یا نہیں۔ قصبات میں نامحرم اعزہ اُس زمانے میں بھی محرم سمجھے جاتے تھے اور یہ بدکار رواج کبھی کبھی کسی حد پر شرمندگی کا باعث ہوتا تھا۔ میں اعزہ سے نہ تھا۔ بیگانہ تھا۔ مگر اعزہ سے کم نہ تھا۔ خاندانی شرافت ایک حد تک صفات پر خاص عمر میں بھی اثر انداز رہتی ہے نیز انگریزی تعلیم بھی۔ با ایں ہمہ ع لباس کہن دولت از گفتار خیزد۔ رکنے والی چیز نہ تھی۔ رفتہ رفتہ اتفاقات نے یہ ترقی یہ صورت بھی پیدا کر دی۔ ع

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

جیتے دراز افسانے کو بہ طرز اختصار گویا ایک مصرع میں لے لیا۔ مجھے افسانہ نا بیان میں ہر موقع پر (بشرطیکہ لکھ سکوں) اپنی گریز یا طولانی عمر کو آخری سانس کی طرح کوتاہ کرنا ہے۔ افسانہ نگاری سے بھی نابلد ہوں۔ خواہ بہ طرز قدیم ہو یا جدید۔ اس اعتبار سے کہ گانا رونا کون نہیں جانتا۔ بُرے بھلے اسلوب سے کچھ لکھے جاؤں۔ مگر میں زندگی کے اُس نازک موقع پہ پہنچ چکا ہوں کہ عمر کوتاہ و افسانہ دراز کا حسن کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ یہ کہنے کو ہو ؎ ثاقب لکھنوی

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

جینے سے جی اُکتا گیا ہے آخر کب تک جیوں۔ پھر بھی جی نہیں چاہتا کہ وہ نازک وقت آئے۔ جسے خیال سمجھ رہا ہوں۔ دعا ہے مجھے یہ کہنا پڑے مگر نہ کہنا پڑے تو اچھا ہے ؎ ریاض

وقت آخر یاد فرمایا مجھے کس حسن سے
ہچکیاں یہ کہتی آئیں موت کا پیغام ہے

آغاز شباب کا خواب دیکھ رہا تھا کہ بڑھاپے نے موت یاد دلا دی۔

کسی کا دوسری سے سن میں کچھ بڑا ہونا۔ آنیوالی قیامت کے فتنوں کو اپنی کف پا کے لئے برگ حنا بنائے ہوا تھا۔ یہ بھی قیاسی ہے۔ نظارہ جمال کا کیا ذکر۔ نقش کف پا بھی دیکھنا نصیب نہ ہوئے تھے۔ نہ نوشت و خواند اس پیام وسلام کا ذریعہ تھی۔ جس کا امکان نشستگاہ میں نہ تھا۔ پیامی بھی اک ضعیفہ تھی جس نے کئی حج کئے تھے اور جس کے خیال میں اک دبے پاؤں چلنے والی چیز سے ہر صبح دل کہہ دیا کرتا تھا ؎ ریاض

اے نسیم سحری اسکو لئے جاتی ہو بام
نفس سرد ہے نالہ نہیں فریاد نہیں

ہفتے کی طرح مہینے گذر نے گئے۔ طوفانی اشکوں کی گریہ یائی چاہتی تھی نظارہ جمال کی حسرت کو دل سے نکال دے جائے۔ مگر یہ اپنی جگہ پر تھی پردہ گہرا ہوتا گیا۔ آواز میں بھی تیر لگنے کی خلش پیدا ہو گئی۔ آبرو کے پاس نے میرے لئے بھی موقع کی نزاکت بڑھا دی تھی۔ پھر بھی انتہائی جرأت سے عصمت مآب کو مطلع کئے بغیر ایک روز موقع مجانے پر جب گھر کی بیبیاں کسی تقریب میں گئی ہوئی تھیں اور صاحب خانہ مع ضروری اشخاص کے علاقے پر تشریف لے گئے تھے۔ باب کعبۂ مقصود اندرونی جانب سے اس طرح بند تھا کہ دست دعا کی جنبش جب چاہے اسے کشود کار کا ذریعہ بنائے۔

تاریک شب کے خطرناک حصے میں بند دروازے سے میں آسیب کی طرح وسیع صحن میں اپنے سائے سے بچتا گھنے اشجار گل کے سائے میں چھپتا اُس خوابگاہ ناز تک پہونچا۔ جس کا نقشہ پہلے سے آنکھ میں تھا اور جہاں شمع کی دھیمی روشنی چھپے چہرے پر پڑ رہی تھی ؎ ریاض

یار کے بند صبا آہستہ وا کرنے کو تھے
چوری چوری کچھ نہ پوچھو رات کیا کرنے کو تھی

جھجک بھی خوف بھی شرافت سے گرا ہوا فعل بھی گہرے پردے نے اور ڈرا دیا تھا کہ یہ کہنے کو نہ ہو ؎ ریاض

اُٹھے فتنے نگاہ خشمگیں سے
گلے ملتے ہوئے چین جبیں سے

چھپے چہرے سے آنچل کا سرکانا تھا کہ یہی صورت پیش آئی اگر ساتھ ہی نام نہ بتایا جاتا تو ایک ہی چیخ رسوائی کے لئے کافی تھی۔ نظارہ جمال کی حسرت نکلی مگر بُری طرح۔ حسن عشق سے زیادہ بیتاب تھا شرعی جواز کے حدود میں آجانے کی کوشش تھی۔ بہ صورت حرماں نصیبی۔ جان زار جمال آفریں کے سپرد ہو چکی تھی۔ اشک پیہم و گریہ متصل نے والدین کو سعی جواز کی طرف آمادہ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ ایک عفت مآب پردہ نشین کی شرافت نفس کسی نامحرم کی نگاہ کو کھلکر موقع دینا نہیں چاہتی تھی۔ بے پردہ آواز کی طرف سے صرف سعی جواز کا ایما اور مایوسانہ فوری بازگشت کی تاکید (ہرچ حاصل)، آئی نظارہ جمال نے مجھ سے کچھ کہا تو یہی ؎

لپک شعلے کی ہے یا گُل فشانی دیکھتے جاؤ کلیم انکی ادائے لن ترانی دیکھتے جاؤ

ناکامی مجھے اپنی جگہ پر واپس لائی۔ ابھی تک تو لب آئین و دولت از گفتار سے سابقہ تھا اب تو نظارۂ جمال نے ہجوم شرارہ و برق نے مجھے نئے تجلی زار میں پہونچا دیا تھا۔ وطن واپس آنے پر میری تمام کوششیں جواز کے لئے ناکام رہیں۔ برعکس میری حالت میں تغیر پیدا کرنے کو میرا عقد جوار وطن میں کر دیا گیا اور افسانۂ محبت ٹریجیڈی پر تمام ہوا۔ وہی پیامی ضعیفہ وطن میں میرے مکان پر یہ کہتی آئی کہ غم فرقت سے جاں بر ہونا محال تھا۔ کسی نے جان زار پہلے ہی۔ جان آفریں کو سپرد کر دی تھی۔ آخر وہ وقت آگیا کہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ ؎ ریاض

کفن سرکا کے حسن نوجوانی دیکھتے جاؤ ذرا انداز مرگ ناگہانی دیکھتے جاؤ

پردے کی سختیاں کس سختی سے پہلے تھیں۔ اب کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونیوالا ہے۔ اس موقع پر ایک تازہ نظم موسوم بہ عقد ثریا نذر نگار کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ موئدین آزادی و بے پردگی پر اثر ڈالوں میرے لئے یہی بہت ہے کہ میں ان کے اثر سے محفوظ رہوں۔ یہ نگار کا اختیاری امر ہے کہ وہ اپنے صفحات کے دامن کو عقد ثریا کے روشن وہیتے سے سجائے۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں اب بھی نگار زندہ نگار سے یہی کہونگا ع

سپردم بہ تو مایۂ خویش را۔

عقد ثریا

ہر اک محفل میں اب پہلو بہ پہلو میاں ہونگی
ہمیں چوگاں ہیں گو یہ کہیں گی مرد میداں سے
جگہ لیں گی۔ جگہ دیں گی۔ یہ اپنے چشم و ابرو پر
میاں سایہ بنے ہوں ساتھ پابندی نہیں اسکی
یہی چھائی رہیں گی محفلوں پر رات ہو دن ہو،
نہ گلگشت چمن میں پاؤں اٹھ جائیں کہیں انکے
پئے تعلیم گھر سے کم سنی میں پاؤں نکلیں گے
درونِ پردہ کیا تھیں۔ بیرونِ پردہ کیا ہوگا

حجاب اٹھ جائے گا ہر کام میں بے رمیاں ہونگی
تنک ہو کر نگاہوں میں۔ رواں ہونگی دواں ہونگی
کوئی جب میہماں ہوگا یہ اس کی میزباں ہونگی
کبھی خود میزباں ہونگی کہیں خود میہماں ہونگی
نصیب دوستاں ہونگی نصیب دشمناں ہونگی
ہوائیں بھر کے سایہ انکی نازک ساریاں ہونگی
قیامت ڈھائیں گی گھر سے نکلکر جب جواں ہونگی
نہاں رہکر نہاں رہتیں۔ یہ نکلکر اب عیاں ہونگی

من اندازِ قدت را می شناسم - ہو جگہ کوئی
اُٹھیں گی اُنگلیاں کھُل کھیلنے پر یہ جہاں ہوں گی

نمائش حسنِ عریاں کی ہے - شوقِ خود نمائی بھی
نمایاں داغ بن کر ان کی اب گلکاریاں ہوں گی

نظر آئیں گے ذرّے خاکِ پا کے - کوکب و اختر
ترقی پر رہے جلوے تو راہیں کہکشاں ہوں گی

کہاں کا مرکبِ بادی اُڑیں گی یہ بلند اس سے
یہ پرواز کہتے ہیں کہاں ہیں یہ کہاں ہوں گی

یہ چمکائیں گی جا کر زہرہ و مریخ کی دنیا
یہ بن کر چودھویں کا چاند زیبِ آسماں ہوں گی

خدا جانے کہاں لیجائیگی ان کو اُٹھان ان کی
یہی ہیں خواب ان کے تو کہاں تک یہ کہاں ہوں گی

مطیعِ حکم ان کے ہونگے شوہر کی طرح کتنے
کرے گا حکم پروازی ہر اک - یہ حکمراں ہوں گی

نقابِ رُخ اسی امید نے یورپ میں الٹی تھی
ثریا مشعلِ راہِ امان اللہ خاں ہوں گی

مزا بے پردگی کا ہو گیا معلوم طفلس میں
خبر کیا تھی سرِ دربار یوں رُسوائیاں ہوں گی

بڑھے گا دختِ رز کو منہ لگا کر فوج کا افسر
دمِ تقریر سرزد اس سے بے عنوانیاں ہوں گی

ہوا بدمست - کیوں شہ سے اجازت خواہ بوسے کا
یہ ہیں تہذیب کی باتیں جو زیبِ داستاں ہوں گی

جھکے گا وہ عاجزی سے بعدِ شہ سوئے ثریا بھی
سمجھتا تھا نظر انداز یہ بیباکیاں ہوں گی

عتاب آمیز ادائے شہ سے ہل چل پڑ گئی کیسی
وہ کچھ بھی ہو جو باتیں ہو چکیں سرزد یہاں ہوں گی

نہ آیا آبرو پر حرف لیکن پھر بھی تو آیا
جہاں بے پردگی ہوگی - یہی گستاخیاں ہوں گی

کہیں کیا ہم زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے
نیا فیشن نئی سج دھج غضب عریانیاں ہوں گی

یہ طرزِ آزمائش ہوں - زن و شو - عقد سے پہلے
نئی باتیں نئی جدت نئی آزادیاں ہوں گی

وہ دن بھی آئیگا پوری ہو آزادی کی ہر خواہش
وہ دن بھی آ گیا یہ جدتیں رائج یہاں ہوں گی

نہ سرمہ آنکھ میں ہوگا نہ لب پر پان کی سُرخی
حنا ہوگی نہ ہاتھوں میں نہ دھانی چوڑیاں ہوں گی

نہیں رہنے کا یہ فرضی تعلق بھی زن و شو کا
یونہی اب رفتہ رفتہ دور سب پابندیاں ہوں گی

جدائی اختیاری ہوگی - بعدِ عقدِ رسمی بھی
نہ ہوگی قیدِ مذہب عقد میں آزادیاں ہوں گی

پکارے دختِ رز سے یہ نویدِ عیش کہتی ہے
نکوکاری کے بدلے ہر طرف بدکاریاں ہوں گی

بنیں گی بچہ کش ہو کر نہ اب دنیا میں ناکارہ
نہ بچے ہونگے اب ان کے نہ یہ بچوں کی ماں ہوں گی

ترقی کے لئے بے پردگی - کیوں لازمی ٹھہرے
یہی تو دامنِ عصمت کی اُڑتی دھجیاں ہوں گی

مثل سچ ہے نہیں ہوتیں برابر انگلیاں پانچوں
وطن کی آبرو بھی پاک دامن بیبیاں ہوں گی

بہت تعلیم پاکر نام پائیں گی زمانے میں
بہت باعصمت و عفت بھی امیں بیبیاں ہوں گی
بہت تعلیم پانے پر کریں گی قوم کی خدمت
بہت تعلیم پاکر آبروئے خانداں ہوں گی
انھیں میں ہوں گی ایسی بھی کریں ہم سجدے دامن پر
یہی تو مایۂ صد ناز بنتِ ہندوستاں ہوں گی

یہ نکلیں گی ہمیشہ نورایاں نکلے پردے سے
حجاب ابرِ رحمت سے نمایاں بجلیاں ہوں گی

نگاہِ شوقِ بد بیں ان سے خیرہ ہو نہیں سکتی
تصور ہی میں حسن و عشق کی خوش فعلیاں ہونگی

بڑھاپے میں ریاض افشانہ کر رازِ سیہ کاری
مجھے ڈر ہے تقدس کی ترے رسوائیاں ہونگی

سلما و لیلےٰ کی ہم سخنی دلکش انداز کے ساتھ ایسی نہ تھی کہ سننے والوں کو محمل کی بلندی تک پہونچنے کے لئے لفٹ کا محتاج رکھتی۔ بات کہتے ہی میں اپنے ظریف ہمراہی کے ساتھ گوشۂ محمل میں تھا۔ ساتھ ہی بالا بلند غیر مصنوعی انجن میں حرکت پیدا ہوئی۔ ہمراہی ظریف میرے ملازم بھی تھے اور بچپن کے دوست بھی۔ موسیقی سے کافی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کی جائے نشست لیلےٰ سے گونہ قریب تھی۔ اسے اتفاق پر محمول کیجیے یا ان کی سعئ پنہاں کا نتیجہ سمجھئے۔ میں بجائے خود سلما سے دور مگر سلما کی طرف تھا۔ تیرگی شب میں اس کا بھی اندازہ ہوا کہ سلما و لیلےٰ تنہا نہیں ہیں کوئی بلائے بد یا آشوب روزگار اور بھی ہے۔ تمام معاملات میں تصور کی کار فرمائیوں کو عجیب و غریب دخل تھا۔ رفتار بھی خواب آور تھی۔ شب کا گزرا ہوا حصہ بھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ نفیر خواب بلند ہوئی۔ جو آواز ارغنوں کی طرح خوش آئند نہ تھے۔ مجھ پر بھی غنودگی کا اثر تھا۔ ہمراہی ظریف پر بھی۔ ممکن ہے ان کی غنودگی میں تصنع کو بھی دخل ہو۔ خفیف سردی نے تاریکی میں دلائیوں کو زیادہ آویزش کا موقع دیدیا تھا۔ ان صورتوں میں جیسا کہ ہمراہی ظریف نے بعد کو بیان کیا۔ جابجا افتاد کا دست شوق کو کیا خیال ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ مصنوعی و غیر مصنوعی نیند کا غلبہ ہو نہ ہاتھ کی نگہداشت ہو سکتی تھی نہ پاؤں کی۔ ہر غلط افتاد غلبۂ خواب کے تحت میں تھی۔ ایسے موقع پر وہ خود بھی سمجھتے تھے۔ ع۔ تواں گر نسیت بر آں کس کہ پاکباز بود۔ ہمراہی ظریف نے خود کو ایسی حالت میں بنا لیا تھا کہ ساق سیمیں ہو یا اس سے زیادہ کوئی نرم حصہ۔ دستِ شوق کی ہر بیجا افتاد۔ نیند کے غلبے پر محمول کی جا سکے۔ آزمائشی طریقوں نے رفتہ رفتہ ان کو اطمینان دلا دیا کہ لیلےٰ ہو یا سلما یا کوئی بلائے

آشوب روزگار سب نیند کے ماتے ہیں۔ ہر ایک کی نفیر خواب ہی اطمینان کے لئے کافی تھی۔ خصوصاً لیلےٰ کی گہری نیند یا اس حد تک خاموشی جس سے سطحی مدعا بر آری کے لئے نیم راضی کا پہلو نکلتا ہو۔ کچھ خطرہ تھا تو صرف اس مصرع کے لحاظ سے ع ابھی ہے نام خدا وہ غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے۔ پھر بھی دستِ شوق کی بیباکی مزید تجسس میں بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اوپر کی جانب سرکتے سرکتے ان کا سر نیاز۔ پشتِ پا سے لیلےٰ کی کمر تک پہنچ گیا تھا۔ ادھر لیلائے شب بھی تا کمر پہنچ چکی تھی۔ کہ دستِ شوق کو نہایت بے موقع دو گلیٹوں کا احساس ہوا۔ ساتھ ہی کسی مرض کا بھی۔ ابھی وہ بکراہت وضاحت کے ساتھ آگاہی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اس آنی حالت میں تغیر پیدا ہوا۔ گلیٹوں کی مجموعی حالت نیز ان کی حرماں نصیبی نے ان کو اس مصرع کا مفہوم ع شب اول عروس نر گردد اچھی طرح سمجھا دیا۔ اب ان کی طبیعت دوسری طور پہ مائل بہ استفراغ ہوئی یہ وہ وقت تھا کہ توبہ کو اُن کے استغفار پر ہنسی آتی تھی۔ جتنا بڑھے تھے اتنا ہی گھٹے۔ اب وہ لیلےٰ کی عوض ڈرائیور کے قریب نظر آئے۔ دفعتاً ڈرائیور نے بلند آواز سے کہا۔ یہ کیسے اندھے مسافر ہیں جو سڑک کے وسط میں دراز ہیں۔ ڈاک گاڑی سے کٹ جانے کا بھی اندیشہ نہیں ڈاک گاڑی سے میل ٹرین نہ سمجھے گا۔ اس زمانے میں ڈاک مرے کمپنی کے ٹھیکے میں کمپنی کی گھوڑا گاڑیوں پہ جایا کرتی تھی۔ میں نے بھی گھبرا کر ان کو دیکھا اور بے اختیار چاہا کہ اپنی دلائی ان کو دیدوں اور وہ سردی میں کسی درخت کے نیچے استراحت کریں۔

میں اسی خیال میں تھا کہ محمل کش کی رفتار رک گئی۔ تھکے ماندے مسافر جو سنگ راہ بنے تھے۔ اب اس جگہ نہ تھے اور ناقہ لیلےٰ اُن کے قابو میں تھا۔ اس کی روانی نشیب کی جانب بجائے شرق شمال رویہ تھی جو دور جا کر رکی۔ محمل کے زیریں حصہ مسقف میں شور برپا تھا۔ گریہ وزاری سے کہرام مچا ہوا تھا۔ چاندنی بہت صاف تھی۔ مسافر شکنجوں کے درمیانی حصوں سے زخمی کئے جا رہے تھے۔ ناقۂ لیلی۔ گسستہ عناں۔ آزادی کے ساتھ نیم کی شاخوں میں حلاوت کام ودہن حاصل کر رہا تھا ؎

خم شاخسار باز گوئے بلند تو فریاد از تطاول مشکیں کمند تو

قابو رکھنے والا ڈرائیور مع اسسٹنٹ لاٹھیوں کی ضرب سے سڑک ہی پر زمیں رسید ہو چکا تھا بالائی حصے میں۔ نفیر خواب کا کیا ذکر موت کی خاموشی طاری تھی۔ سب کو جان کے لالے پڑے تھے مگر مجھ کو نہ مال کی بھی فکر تھی۔ میرے پاس تھا کیا۔ ایک جیبی رومال۔ جس میں ساٹھ روپے تھے اور رومال جیب کے اندر۔ اس کے سوا ایک معمولی زین کا بیگ دہلی کا نوایجاد۔ جس کا اُس زمانے میں ابتداءً

رواج ہوا تھا۔ بیگ میں کچھ کپڑے ایک امرتسری چوتہی۔ جس میں دو ضخیم مطبوعہ دیوان لپٹے ہوئے پکیٹ کی شکل۔ دو روپے اور بھی تھے۔ جو میں نے ہمراہی ظریف کی جیب میں ڈال دئے تھے۔ صاف چاندنی میں چالیس پچاس ڈاکو گھیرا ڈالے ہوئے زخمیوں کی جامہ تلاشی میں مصروف تھے۔ میں نے چاہا جیب سے زربستہ رومال نکال کر دور پھینک دوں۔ مگر روپلے ڈھیلے بندہے ہوئے تھے۔ مینے اپنے بوٹ میں نیچے کی طرف زربستہ رومال کو بہ احتیاط رکھا۔ اور محمل کے بالائی حصے میں محفوظ کر دیا۔ دوسرے پاؤں کے بوٹ کو بھی اُسی کے برابر جگہ دی۔ بیپ ہوتا تو وقت پیش آتی۔ اتنے میں کسی نے برچھی سے حملہ کیا۔ میں بال بال بچا۔ محمل پر زور پڑی۔ گالیوں کے ساتھ اترنے کی تاکید پر میں بالائی حصے سے کود کر زمین پر گرا۔ اور حملے سے پہلے میں نے یہ بات اُن کے دل میں اتار دی کہ میرے پاس بیگ میں کافی رقم ہے وہ لے لو اور کسی غریب کو اب نہ مارو۔ میرے ہمراہی کو بھی اترنے کی تاکید کی گئی وہ بھاری جسم کے آدمی تھے۔ سنبھل کر اترنے لگے۔ مگر لاٹھی سے حملہ کیا گیا وہ چوٹ کھا کر گرے جامہ تلاشی سے میں بھی محفوظ نہیں رہا تھا وہ بھی محفوظ نہیں رہے۔ ان کے گرتے ہی مینے یہ کہہ دیا اس غریب کو نہ مارو جیب میں دو روپے ہیں لے لو۔ خانہ تلاشی کے نتیجے میں وہ مجھے راست باز سمجھے۔ چھ زخمی جو قریب قریب مبتلائے اذیت زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو کراہنے اور چیخنے چلانے سے روکا۔ ڈاکو اوپر کے درجہ کو خالی سمجھ رہے تھے اودھر متوجہ ہوئے کہ میرے بیگ سے کافی رقم حاصل کریں۔ اب سلما و لیلےٰ نے شور مچایا میں نے انھیں فریاد و زاری سے روکنا چاہا تو پیہم آوازیں آئیں۔ سمجھا جا سار سمجھائے جا۔ اس آواز کے ساتھ میں گویا بالکل آزاد تھا۔ مینے قریب جا کر ان کو سمجھایا۔ اور سب کو بے نقاب دیکھا۔ سلما سن رسیدہ تھی۔ بلائے بد بھی جوانی سے اُتری ہوئی اور کریہ منظر بھی۔ لیلےٰ کا کیا پوچھنا وہ انیس سال کا ایک نوجوان شخص تھا جسکی رسیلی اور نرم آواز نے تاریکی شب میں دوشیزہ کا دہوکا دیا تھا۔ میرے سمجھانے سے بلائے بد نے ایک پوٹری دی۔ کہا اس میں بائیس روپے ہیں۔ اس کے سوا ہمارے پاس ایک پیسہ نہیں ہے۔ میں نے پوٹری ڈاکوؤں کے حوالے کی اور کہا اب ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ بجواب مجھ پر عتاب ہوا۔ میں قریب سے ہٹ گیا۔ ڈاکوؤں نے سلما اور بلائے بد کے ناک کان نوچ کر لہولہان کر دیا صرف ظریف لکھنوی والا "لیلےٰ نظر آتا ہے" ان کے دست جور سے محفوظ رہا۔ بیدردی کے ساتھ یہ بھی اتارے گئے۔ اور اسباب کے ہمراہ میرا بیگ بھی اتارا گیا۔ مینے چاندنی میں دیکھ لیا تھا کہ جلال پور کے قریب ندی والا کرونڈے کا جنگل ہے۔ میں یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ جنگل کے کنارے ایک صاف شفاف ٹکڑا ہے۔ جس میں ایک فرش رکھی ہوئی ہے اور بہت سا اسباب پھیلا ہوا ہے۔ ہم لوگوں کو چھوڑ کر سب ڈاکو ٹیکرے کی طرف چلے گئے تھے۔ دو چار

وہی باقی رہے تھے۔ جنہوں نے میرا بیگ اور کچھ اسباب اتارا تھا۔ اسباب تو انھوں نے ایسے ہی پھینک دیا میرا بیگ لیکر ٹیکرے کی طرف چلے گئے جسے وہاں جاکر انھوں نے چھرے سے چاک کیا اس نازک موقع پر میں نے دیکھا کہ ایک بیل گاڑی سڑک سے گزر رہی ہے میں سمجھا کہ پولیس آگئی۔ میں نے ڈرانے والے لہجے میں بلند آواز سے کہا پولیس آگئی ہے۔ اب کوئی جانے نہ پائے۔ یہ سننا تھا ڈاکوؤں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ سب جنگل میں ہو رہے۔ گاڑی سڑک پر رکی ایک پولیس کانسٹبل ہم آگئے ہم آگئے کہتا ہوا قریب آیا۔ میں وہ دونوں ٹیکرے تک پہونچے۔ جسے میں فنس سمجھا تھا وہ مرے کمپنی کی ڈاک گاڑی تھی جو کسی طرح رک گئی تھی۔ اُس کے گھوڑے بھی اُلجھے ہوئے تھے۔ ڈاک کے تمام تھیلے چاک شدہ اور پارسل وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ اسی ڈاک گاڑی پر انسپکٹر جنرل پولیس کا قیمتی اسباب بھی تھا۔ جو ڈاکوؤں نے مختلف اسباب کے ساتھ وہیں چھوڑ دیا تھا۔ میں اور کنسٹبل جنگل کی طرف بڑھے۔ یہ کہتے ہوئے کہ اب جنگل سے نکل کر ڈاکو نہیں جا سکتے۔ دفعتاً ایک شخص کرندے کی جھاڑی سے نکلا۔ ادھر کنسٹبل کی گھگی بندھ گئی اُدھر اسکی میں بذیمن خود گل دیگر شگفت لیکر آگے بڑھا۔ دیکھا تو راجہ صاحب کھیرے گڈھ کے بھائی ہیں۔ راجہ صاحب کا اسم گرامی مربیان گلکدہ ریاض کی فہرست میں بہ خصوصیت درج تھا۔ ممدوح کو میں نے پہچانا۔ آپ نے بھی چوٹ کھائی تھی اور بھاگ کر ایک جھاڑی میں چھپ گئے تھے۔ میں نے کانٹے چنے۔ کنسٹبل غائب تھا سڑک پر وہ گاڑی بھی نہ تھی۔ جسے میں پولیس کی جماعت سمجھا تھا۔ راجہ صاحب کے بھائی نے کہا۔ میرے دو ہمراہی مارے گئے۔ میں نے یہ کہکر ع اے باد صبا اینہمہ آوردۂ تست۔ ایک خندق میں دو لاشیں دیکھیں یہ برچھیوں کے زخم سے ہلاک ہوئے تھے۔ کوچمین وغیرہ کیا ہوئے کچھ معلوم نہ ہوا راجہ صاحب کے بھائی مجھ سے بار بار کہتے لکھنؤ بھیجدیجئے۔ راجہ صاحب منتظر ہوں گے جو شادی کی غرض سے نیپال جا رہے ہیں۔ سیتاپور سے دن میں گھوڑا گاڑیاں جا چکی ہیں۔ پچھتر ہزار روپیہ بھی ہمراہ گیا ہے۔ میں دن میں نہ پہونچ سکا شب کو روانہ ہوا۔ پانچ ہزار روپیہ میرے ہمراہ تھا۔ میں اُس کا نام بھی نہیں لینا چاہتا نہ آپ کسی سے ذکر کریں۔ میں خود خوف زدہ اس خیال سے تھا کہ جنگل سے نکلکر ڈاکو پھر نہ آجائیں۔ میں نے پراگندہ پارسلوں پیکٹوں اور متفرق قیمتی اسباب میں اپنا چاک شدہ بیگ اور رام تشری جو تھی مع روپیوں کے موجود پائی۔ میں نے ہر چیز کو وہیں بحال خود رہنے دیا۔ زخمیوں کو سمجھا دیا کہ فریاد وزاری کریں۔ اور چلائیں کہ ہمارا اس قدر روپیہ گیا۔ میں بھی رونے اور شور وغل کرنے میں ان کا شریک تھا۔ میری زبان پر یہی تھا کہ میرے بھی پانچسو لٹے۔ میرے ظریف ہمراہی جن کا نام وزیر خاں تھا۔ میرے ہم وطن اور ہمسایہ محلے کے رہنے والے تھے۔ انھیں بھی درد کی اذیت محسوس ہو رہی تھی۔ ان کے لئے شب اول

صرف عروس ہی زخمی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ چالیس پچاس نفر ڈاکو بھی زخمی ہوئے تھے۔ انھوں نے لیلےٰ کی دیکھ بھال کی تھی۔ ڈاکوؤں نے ان کی دیکھ بھال کی بلکہ مجھ ناکردہ گناہ کی بھی۔ میری خدا ترسی گو نہ میری کفیل تھی کہ میں نے چوٹ نہیں کھائی۔ تھوڑے عرصے میں کنسٹبل موضع نیر بھٹی پور سے جماعت کیثر لے کر واپس آیا۔ نیر بھٹی پور حافظ نظام احمد انداز مہتمم ریاض الاخبار کا موضع تھا۔ مجھے بھی سب پہچانتے تھے وزیر خاں کو بھی۔ آگ ہر طرف روشن کی گئی۔ اب خوف دور رہا۔ میں نے اپنے بوٹ اور روپیہ کو دیکھا وہ مجھ سے زیادہ بعافیت تھا۔ کچھ دیر کے بعد ایک سوار آیا جس نے پوچھا یہ دوسرا ڈاکا ہے معلوم ہوا ڈاک گاڑی لوٹنے سے پہلے ایک نامی زمیندار کو لوٹا ہے جو زنانی سواریوں کے ساتھ موضع ٹن سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا کئی آدمی شدید مجروح ہوئے تھے۔ سوار سیتا پور حکام کو مطلع کرنے روانہ ہوا۔ لکھنؤ سے سیتا پور جانے والی گاڑیاں آگے پیچھے آ کر ضروری پرسش کے بعد روانہ ہوتی گئیں۔ ایک گھوڑا گاڑی پر چودھری محمد بخش مرحوم تعلقدار بلوہ تھے اور چھت پر ان کا ملازم فقیرے جو مجروح وزیر خاں ہمراہی کا ہمسایہ بھی تھا۔ گاڑی سڑک پر تھی۔ وزیر خاں زخمیوں کے ہمراہ اپنی جائے افتادہ پر بیٹھے کسی نے چلا کر۔ فقیرے سے کہا بھیا مارے گئے۔ میں زخمی ہوں۔ چھاپہ خانہ میں اور مکان پر اطلاع کر دینا گھوڑا گاڑی تیز روانہ ہو گئی۔ میں اس وقت اتفاقیہ سو گیا تھا۔ کچھ رات باقی تھی کہ ڈپٹی کمشنر ضلع مسٹر ٹوئیڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس منشی ولایت اللہ تحصیلدار صدر انسپکٹران و سب انسپکٹران و کنسٹبلان کوتوالی ولین متعدد سواران۔ رسالہ و پوسٹ ماسٹر وغیرہ مختلف سواریوں پر پہونچ گئے۔ سب سے پہلے بعجلت پراگندہ ڈاک وافتادہ اسباب صاحب انسپکٹر جنرل بہادر پولیس دوسری گھوڑا گاڑی پر روانہ کیا گیا۔ اسی پر راجہ صاحب کھیری گڈھ کے ضرب خوردہ بھائی بھی۔ ضروری مختصر بیان لینے کے بعد بٹھا دیے گئے۔ پھر میرا تفصیلی بیان ڈپٹی کمشنر نے لیا۔ بیان میں سلطان و لیلےٰ کے واقعات حذف کر دیے گئے۔ خدا ترسی اور دلائی دینے کے قصہ سے آغاز ہوا۔ مگر ڈاکے سے بھی زیادہ نازک وقت میرے لئے پیش آیا۔ جب میں نے مسن سلما سے بائیس روپیہ کی پوٹری لیکر ڈاکوؤں کے حوالہ کی۔ اظہار کار گزاری میرے لئے بلائے جان ہو گیا۔ ڈپٹی کمشنر نے ضلع نے بدلے ہوئے تور سے فرمایا کہ آپ نے ڈاکوؤں کو پورے طور پر مدد دی۔ یہ فقرہ میرے لئے جام مے نہ تھا جام زہر ہلاہل تھا۔ یہ کہنے کا بھی موقعہ نہ ملا۔ ع

ہمنشیں ہم چلے سنبھال ہمیں

لغزش کے ساتھ خاص حالت طاری ہوئی۔ مسٹر ٹوئیڈی ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ نے فوراً بڑھ کر اور یہ کہکر مجھے سنبھالا ڈپٹی کمشنر صاحب نے مذاق سے کہا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب خود بھی ہنسنے لگے۔ حاضرین میں

میں ابھی تک برہنہ پا تھا۔ انسپکٹر پولیس جائے محفوظ سے میرا بوٹ لائے۔ جوتا بعافیت میرے پاؤں میں پہونچا اور روپیہ میری جیب میں بیان میرا ہو رہا تھا کہ تیز گاڑیوں پر حافظ نظام احمد۔ رفیق قدیم مرحوم جالعالم پریس مین مطبع نیز دیگر اعزہ و احباب میری لاش لانے کے لئے ماتم کناں فریاد و زاری کرتے پہنچے۔ گاڑیوں کے پیچھے لوگوں کا تانتا لگا ہوا۔ جس نے جہاں سنا وہیں سے روانہ ہوا۔ مجھے زندہ دیکھ کر لوگوں نے فرط مسرت سے مجھے اٹھا لیا۔ ڈپٹی کمشنر و سپرنٹنڈنٹ صاحب کو استعجاب تھا یہ واقعہ کیا ہے آخر انھیں سمجھایا گیا۔ کہ مکان پر کیا تمام خیر آباد میں ماتم برپا ہے۔ بیان ختم ہوتے ہی مجھے اجازت دیگئی میں بعافیت گھر پہونچا۔ مبارک سلامت کے لئے ہمسایہ محلے امنڈ آئے۔ بہرحال یہ عالم تھا ؎

وہ آرہے مرے ہمسایہ میں تو سائے سے
فدا ہوئے در و دیوار پہ در و دیوار

انعام اکرام خیر خیرات اور مبارکباد کے سلسلے نے وہ ساٹھ روپے بھی نہ چھوڑے جو جان کی طرح نہ سہی مال کی طرح ضرور مجھے عزیز تھے۔ ڈاکوؤں کے لئے کئی ہزار انعام اور انسپکٹری کے عہدے کا اعلان گزٹ میں ہوا۔ یہ کمبخت ڈاکو ڈھاٹے باندھے۔ برچھی اور لمبی لمبی لاٹھیاں لئے۔ ہر روز شب کو خواب میں مجھے نظر آتے۔ اور یہ سابقہ مہینوں رہا مگر میں ان کو گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ نہ سزا دے سکتا تھا سلسلۂ تحقیقات دس مہینے تک جاری رہا۔ اور میں برابر شب کو خواب میں انھیں دیکھتا رہا بلکہ بیداری میں بھی ان کی صورتیں میری پیش نظر رہتیں۔ مگر تقدیر میں انعام نہ تھا اسلئے سزا دلانے سے معذور رہا۔ سیتاپور۔ ہردوئی۔ کھیری کے کئی سو بدمعاش اسی ڈاکے کے سلسلے میں سزا پا گئے۔ مگر ڈاکے اور اس کے متعلقہ سنگین جرائم قتل و ضرب شدید میں کوئی سزایاب نہ ہوا۔

مجھے بیان کردہ لعہ ۵ جرمانہ کا جو پکٹ میں خطوط روانہ کرنے کی بنا پر ہوا تھا کبھی افسوس نہیں ہوا مگر اس ساٹھ روپے جرمانہ کا جو اپنے ہاتھ سے مجھ پر ہوا آج بھی افسوس ہے اور یہ اقتضا پیرانہ سالی و مفلسی کا ہے ع ہم سن کے پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا۔

خیرآباد۔ ۲۳ مئی ۱۹۳۱ء **ریاض**

کبھی تعمیل نہ ہوگی | اگر آپ نے خط و کتابت میں نمبر خریداری درج نہ فرمایا اور کسی ماہ کا پرچہ دوبارہ مفت نہیں بھیجا جائیگا اگر ۲۰ سے قبل آپ نے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع نہیں دی۔ منیجر

فکاہات

میر بگابی

یہ عجیب بات ہے کہ لوگ انھیں میر بگابی کہا کرتے تھے، حالانکہ ان کی زندگی کا مقصود صرف ہنسنا اور ہنسانا تھا، غالباً یہ نام انکا اسی طرح کا تھا جیسے زنگی کو کافور۔ کہا جاتا ہے۔ جس وقت سال گزشتہ انھیں تپ آئی تو سرسام کا حملہ اتنا سخت ہوا کہ دماغی توازن بکلیت بگڑ گیا۔ علاج سے خیر وہ حالت تو باقی نہ رہی۔ لیکن سنک نہ جانا تھی نہ گئی۔

میر صاحب نہایت اچھے تعلیم یافتہ شخص تھے اور تعلیم سے زیادہ مطالعہ وسیع تھا، جس صحبت ومجلس میں بیٹھتے بلبل کی طرح چہکتے۔ اور اپنی بذلہ سنجیوں سے ایک بار روتے ہوئے کو بھی ہنسا کر چھوڑتے ایک دن نخاس سے مع اپنے چند احباب کے گزر رہے تھے کہ سامنے سے قبلہ وکعبہ میر بادر حسین صاحب کسی خیال میں محو تشریف لاتے ہوئے نظر آئے، چونکہ میر صاحب کو تقدس اور سنجیدگی سے ازلی دشمنی تھی، اس لئے بیچین ہو گئے اور فوراً جلدی جلدی قدم اٹھا کر قبلہ وکعبہ کے پاس پہونچے اور سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا تو رک گئے اور مسکرا کر فرمایا "میر صاحب مزاج تو اچھا ہے، بہت عرصہ کے بعد زیارت ہوئی آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا" یہ سنتے ہی میر صاحب نے بہت بھیانک قسم کی شکل بنائی، منھ کچھ کھل گیا، نیچے کا ہونٹ لٹک گیا، آنکھیں پھٹ کر رہ گئیں اور اسی طرح ہاتھ جوڑے جوڑے عرض کیا کہ "قبلہ وکعبہ غضب ہو گیا۔ میں تو حضور ہی کے یہاں ایک مسئلہ دریافت کرنے جا رہا تھا لیکن اب مجھ میں پوچھنے کی ہمت نہیں رہی"

— "کیوں، کیوں، ضرور فرمایئے۔ کیا قصہ ہے۔"

— "نہیں حضور آپ خفا ہو جائیں گے۔"

— "مسئلہ دریافت کرنے میں شرم وخفگی کیسی؟"

— "یہ بات نہیں، بلکہ یہ جو آپ نے ابھی فرمایا کہ تجھ سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا تو ایک بات میری

سمجھ میں اور بھی آئی ہے۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔

—"خیر پہلے وہ مسئلہ تو آپ دریافت کیجئے"

—"سچ بتائیے آپ خفا تو نہیں ہونگے"

الغرض جب قبلہ وکعبہ نے پوری طرح یقین دلادیا کہ وہ برہم نہ ہوں گے تو میر صاحب نے نہایت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ:۔

"رات جب میں سویا تو عجیب وغریب واقعہ مجھ پر گزر گیا۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ رات کو شیطان سوتے میں مختلف طریقوں سے نظر آتا ہے، کبھی بھوت بن کر ڈراتا ہے، کبھی کوٹھے سے گرادیتا ہے اسی طرح کبھی وہ عورت کی شکل بن کر آتا ہے اور غسل کے طبی فوائد کو مذہبی ضرورت میں تبدیل کردیتا ہے۔ یہاں تک تو مجھے معلوم ہے، لیکن قبلہ وکعبہ رات کو یہ غضب ہوا کہ وہ مرد بنکر میرے پاس آیا۔ اب کیا عرض کروں کہ جی پر کیا گزر گئی۔ صبح کو اٹھا تو سخت حیران کہ اب کیا کیا جائے، تمام کتابیں ڈھونڈھ ڈالیں، لیکن کہیں یہ مسئلہ نظر نہیں آیا اور کسی امام ومجتہد نے کسی جگہ یہ ذکر نہیں کیا کہ اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے، پھر اسی کے ساتھ میں اس لئے بھی حیران تھا کہ آج تک تو شیطان کو یہ جرات ہوئی نہیں کہ مجھ ایسے نجیب الطرفین حسنی وحسینی سید کے ساتھ اس طرح پیش آئے، لیکن یہ معمہ تو غالباً حل ہوگیا، کیونکہ جس وقت حضور نے یہ فرمایا کہ "مجھ سے ملنے کو بہت جی چاہتا تھا" تو فوراً میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو رات کو حضور ہی فرط شوق میں پہونچ گئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی معمولی شیطان تو اس طرح کی جرات میرے ساتھ کر نہ سکتا تھا"

یہ سننا تھا کہ قبلہ وکعبہ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور لگے بے نقط سنانے، لیکن میر صاحب ہیں کہ سامنے ہاتھ جوڑے کانپ رہے ہیں اور برابر یہی کہے جارہے ہیں کہ "حضور جو جی میں آئے کہہ لیں، لیکن یہ میں کیسے مان لوں کہ رات کو قبلہ وکعبہ نے اس بندی کو مشرف نہیں فرمایا"

الغرض یہ حالت تھی میر صاحب کی آزادی اور خوش طبعی کی۔ بیماری سے قبل۔ لیکن اب ان میں بہت تغیر پیدا ہوگیا تھا اور ان کی باتوں سے اب زیادہ غور وتامل (گو سنجیدہ وہ بھی نہ ہوتا تھا) کا پہلو پیدا ہوتا تھا، اسی کے ساتھ یہ ایک نئی جدت اور ہوگئی تھی کہ عجیب وغریب تشبیہات استعارات وتلمیحات استعمال کرنے لگے تھے۔

صبح کو جب میں پہونچا تو بہت غور سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ کسی بڑے اہم مسئلہ پر غور فرمارہے ہیں۔ میں نے پوچھا "میر صاحب آپ کس غور وفکر میں

منہمک ہیں۔"

چونک کر بولے "سنو جی، یہ خدا، ظالم خدا، جس نے زہرہ ایسی گانے والی کو مار ڈالا، فدا حسین ایسے سرودئے کو نہ چھوڑا، وہ مولانا بکائی ایسے علامۃ الدہر اور فاضل اجل کو کیا چھوڑے گا۔ قسم خدا کی یہ ضرور مجھے مار ڈالے گا۔ پھر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ آہ، یہ چوک کیسا سنسان ہو جائیگا اس نخاس میں کیسی خاک اڑنے لگے گی۔ اور کیوں بھئی یہ اسٹیشن وسٹیشن سب ٹوٹ جائیں گے۔ لوگ پھر سفر کیسے کریں گے، وہی پرانے زمانہ کی بہلیاں پھر رائج ہو جائیں گی۔ واللہ کیا زمانہ ہوگا، منزل بہ منزل لوگ سفر کریں گے، شام کو کسی تالاب کے کنارے بستر بچھا کر کھلی ہوئی فضا میں لوگ سویا کریں گے، بی منی گا رہی ہوں گی (اب وہ زیادہ بہک چلے تھے) حکیم صاحب نسخہ لکھوا رہے ہیں، ڈھول بج رہا ہے، بچہ رو رہا ہے، پانی سرد ہے، روٹی گرم ہے۔ نہر پر چل رہی ہے پن چکی، وہ تن کی پوری ہے کام کی پکی"

اب میری ہنسی بے قابو ہو چلی تھی، لیکن میں نے بہت ضبط سے کام لیا، کیونکہ میر صاحب کی حالت اب یہ ہو گئی تھی کہ اگر کوئی ان کے سامنے ہنس دے تو خفا ہو جاتے تھے اور پھر گھنٹوں خاموش رہتے تھے۔ میں نے ان کی گفتگو کو کاٹ کر کہا کہ "میر صاحب، آپ نے الہ آباد کی نمائش تو ضرور دیکھی ہوگی، سچ کہئیے گا کیا چیز تھی۔" میر صاحب نے یہ سن کر ایسی صورت بنا لی۔ جیسے وہ بہت غور کر رہے ہوں اور پھر سر پکڑ کر دیر تک سوچتے رہے، اس کے بعد آہستہ آہستہ دو تین بار۔ نمائش۔ نمائش، نمائش کہا اور پھر چونک کر بولے۔ "تم نے دہلی اسٹیشن پر بجلی کے ہنڈے دیکھے ہیں، بالکل جیسے چھلی ہوئی لیچی (اب ان پر دورہ تشبیہات کا پڑنے لگا) دودھ کے شربت کا قطرہ جو انگلی کے سرے سے ٹپکنا چاہتا ہو، بالکل دار ابریم بروئے خود چکیدن، یا دھیل مچھلی کا انڈا جو بیچ سے دو کر دیا گیا ہو، یا جنت کا انگور جو خوشہ سے علیحدہ ہونے کے لئے تیار ہو۔ ہاں بس یہ سمجھ لو کہ الہ آباد کی نمائش بھی ایسی تھی، واللہ جیسے کسی کے کان کا آویزہ، ماتھے کا جھلمل جھلمل کرنے والا جھومر، نقرئی پازیب کی جھنکار، سینہ پر پڑی ہوئی جڑاؤ دھکدھکی لم یطمثھن قبلھم انس ولا جان۔ فبای الاء ربکما تکذبان۔ آہ! ابھی تمہیں تو معلوم ہے کہ میں نے وہاں اسی لئے ملازمت کر لی تھی واللہ وہ تین مہینے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا "شیر مادر" ہیں — مگر توبہ ہے میری دکان پکڑ کر، توبہ — معاذ اللہ جب ۲۴ دسمبر کی شام کو میں ایک جگہ گرا۔ تو دنیا نے یہی جانا کہ میں نے ٹھوکر کھائی تھی۔ حالانکہ وہ تو مجھے غش آیا تھا، کسی نے مجھے چلتے چلتے دیکھ لیا تھا، آہستہ سے نقاب کا کونہ سرکا کر صرف کنپٹی پر پڑی ہوئی بالوں کی ایک لٹ دکھا دی تھی۔ بھائی موسی کا بھی یہی حال ہوا تھا، پہنچے آدمی تھے۔ جبھی سے مجھے ان سے بھی محبت ہو گئی ہے۔ یہ شعر تم نے سنا کسی نے

کیا خوب کہا ہے ؎

ذہانت آپ کی ہے یہ بھی موسیٰ ورنہ تھی کسکو
توقع اس بیاں کی ایک محروم تماشا سے

یہ شعر پڑھ کر میر صاحب دیر تک ہنستے رہے اور پھر دفعتاً خاموش ہوکر اپنے دونوں گال ٹٹول کر مجھ سے پوچھنے لگے۔ کیوں جی ذرا دیکھنا تو زیادہ ہنسنے سے میرا دہانہ تو نہیں پھیلتا جا رہا ہے۔ پھر خود ہی گالوں سے ہات ہٹا کر جھنجلاتے ہوئے بولے "ہوگا، پھیلتا ہے تو پھیلنے دو ---- وہ مجھے مار یگا ضرور۔ قیامت تک نہیں چھوڑے گا۔ آہ! ظالم خدا، قسم خدا کی، اس سے زیادہ ظلم اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہو سکتا کہ وہ مجھے مار ڈالے۔ کوئی پوچھے میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے، میں نے اس کا کیا لیا ہے، لیکن وہ تو اس کی عادت ہے، خون منھ کو لگ گیا ہے، دوست دشمن کی تمیز نہیں، گاؤخر کا امتیاز نہیں، چلے ہیں اللہ میاں بن کے، ہر ایک کو مارنے، یہ بھی کوئی انسانیت ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم۔ (پھر وہ گانے لگے)

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا
ایسی زمیں بنائی، یہ آسمان بنایا

اب میر صاحب کی دماغی حالت زیادہ بگڑتی جا رہی تھی اور ایسی صورت میں ان کو اصلی حالت پر لانے کی صرف ایک ہی تدبیر تھی کہ ان کے سامنے غالب کا کوئی شعر پڑھ دیا جائے۔ پھر ان کی توجہ تمام تر اسکی طرف منتقل ہو جاتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دماغ کے بعض محو شدہ نقوش پھر ابھر رہے ہیں اس لئے میں نے فوراً ان کی موسیقی کو قطع کر کے زیادہ بلند آواز کے ساتھ غالب کا یہ شعر پڑھنا شروع کیا:-

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بہ جلوہ ریزی باد و بہ پر فشانی شمع

یہ سنتے ہی وہ چونک کر بولے ---- "دیکھا تم نے! حقیقت یہ ہے کہ غالب بھی پرلے سرے کا حرامزادہ تھا" یہ اُن کے اعتراف کی انتہائی صورت تھی، اور ہر حسین وجمیل و دلکش و دلچسپ، بلند و ممتاز چیز کی تعریف وہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اُن سے اگر کبھی دریافت کیا جاتا کہ یہ کونسا طریقہ استحسان کا ہے تو وہ اسکے جواب میں کہتے تھے کہ یہ ترکی زبان میں ہر اچھی چیز کو عالی جناب کہنا کونسا طریقہ ہے۔ وہاں تو میز، قلم، کرسی، وغیرہ سب عالی جناب کہلاتی ہیں اور میں غالب کو حرامزادہ بھی نہ کہوں!

انھوں نے غالب کو گالی دینے کے بعد جو نکات اس شعر کے بیان کرنے شروع کئے تو کامل

ایک گھنٹہ گزر گیا اور اسی سلسلہ میں روح کی حقیقت، خیال کی تعریف، باد کی ماہیت، شمع کی ترکیب، جلوہ کا مفہوم، اور اہتزاز کے سلسلہ میں، ایتھر، ہوا، بجلی وغیرہ کے اہتزازات و تموجات الغرض سبھی کچھ بیان کر گئے، اور پھر آخیر میں ایک بار گالی دے کر اٹھ بیٹھے اور بولے کہ :- "حد یہ ہے کہ کمبخت جہاں ٹھوکر کھاتا ہے وہاں بھی اک لطف کے ساتھ۔ لکھتا ہے :-

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی
اے وہ جلوت نہیں خلوت ہی سہی

اچھا اب اس شعر کے ٹکڑے کرو، اسکی "بکھان" کرو۔ گرمی کا زمانہ تھا، لو چل رہی تھی، محبوب خس خانہ کے اندر خدا معلوم تنہا یا کسی کی معیت میں مصروف استراحت تھا، یہ حضرت گھبرائے ہوئے وہاں پہونچے اور اطلاع کرائی کہ "غالب حاضر ہے۔" وہاں سے جواب آیا کہ "خوب یہ کونسا موقع آنے کا ہے کہدو کہ اس وقت خلوت ہے، پھر کسی وقت آئے جب اور لوگ بھی موجود ہوں۔" غالب نے جو گھبرا کر اس کا جواب دیا تو بجائے شعر کے ایک مستقل گالی ہو کر رہ گیا کہ "مجھے معلوم ہے آپ خلوت میں ہیں، لیکن مجھکو اندر نہ بلانے کا یہ کوئی سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ غالب بالکل خواجہ سرا ہے اور اسکے ساتھ تنہائی کسی طرح باعث بدنامی ہو ہی نہیں سکتی۔"

لفظ رسوائی کہکر ذم کا یہ پہلو غالب نے پیدا کر دیا، لیکن اس لطف کے ساتھ کہ شعر پڑھیئے تو اک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور خیال اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ لفظ "اے" نے اس خواجہ سرائیت کو اور زیادہ نمایاں کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے تالی بجا کر ناک پر انگلی رکھ لی ہے اور تھرک تھرک کر اوئی اللہ، اوئی توبہ کر رہے ہیں۔

وہ اس کے آگے کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ سامنے سے ایک لڑکا "جین نا ہیں آدے تم بن شیام" اودھر سے گاتا ہوا گزرا اور میر صاحب کا ذہن پھر اسی اندیشہ کی طرف منتقل ہوا، جس کے ماتحت انھوں نے خدا کی شکایت شروع کی تھی۔ فوراً اٹھے اور جلدی جلدی بکس کھول کر ایک کاغذ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا اور بولے کہ اسے پڑھو۔ چونکہ یہ تحریر میر صاحب کی انتہائی کیفیت وارفتگی کا نتیجہ تھی، اس لئے بہت پر لطف تھی۔ یہ ایک خط تھا جو انھوں نے خدا کے نام لکھا تھا۔ ابتدا یوں کی گئی تھی :-

"جناب خدا۔ سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔"

میں نے پوچھا یہ جناب خدا کیا معنے؟ کہنے لگے کہ "یہ اُن کا تخلص ہے۔" میں نے کہا "کیا خدا شاعر بھی ہے؟"

بولے۔ یقیناً اس سے زیادہ شاعر کون ہوگا۔ جسنے دنیا میں ایسے ایسے "مصرع تر" بنائے۔ پھر یوں بھی دیکھو تو یہ ساری کائنات شعر نہیں تو اور کیا ہے۔ مشتری کو کسی بحر میں تصنیف کیا، مریخ کو کسی بحر میں بنایا، چاند کی زمین اور زمین کا چاند اور، شیر قالین اور ہے اور شیر نیستاں اور ہے ــــ تو اور میں اور من تو شدم تو من شدی۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ، عجب تیری قدرت عجب تیرے کھیل ــــ میں نے کہا کہ یہ سلام علیکم کیسا۔ کیا خدا کو بھی ضرورت ہے کہ سلامتی کی دعا اُس کو دیجائے۔ وہ یہ سنکر ہنسے اور بولے کہ "کیا واقعی میں نے سلام علیکم لکھا ہے اچھا تو اسے کاٹ دو اور برکاتہ کو بھی حذف کردو۔ مگر رحمت اللہ کے بعد علیہ ضرور بڑھا دو مصرعہ ہو جائیگا۔

"جناب خدا رحمت اللہ علیہ"

اور پھر سوچکر بولے کہ اسکے بعد دوسرا مصرعہ یہ لکھدو۔

"سلام، ولام، علے من لدیہ"

اس کے بعد خط کا مضمون یوں شروع ہوا۔

"رات میں نے خواب میں آپ کو مضمحل دیکھ کر بہت افسوس کیا۔ یہ صحیح ہے کہ اب آپ کے بندے آپ کو خاطر میں نہیں لاتے، لیکن معاف فرمائیے۔ آپ نے بھی تو " زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بساز" پر کبھی عمل نہیں کیا۔

یہ دور استبداد و قہرمانیت کا نہیں ہے۔ ساری دنیا سے شخصی حکومت اٹھتی جا رہی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی عرش سے نیچے اُتر کر اپنے بندوں کی نہیں سُنی، اور نہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی خواہشوں اور ضرورتوں پر غور کیا۔ مثلاً میں ہوں کہ اس وقت میرا جی یہ چاہتا ہے کہ ڈربی کا پہلا ٹکٹ پندرہ لاکھ کا میرے نام نکل آئے، لیکن میں جانتا ہوں آپ کبھی اس کو پورا نہیں کریں گے اور بجائے میرے سیٹھ چرن لال بقال کو یہ روپیہ دلوا دینگے۔ حالانکہ نہ اُس کو دولت کی ضرورت نہ دولت کو اُس کی۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ سب سے پہلے ضرورت روپیہ کی ایک گنہگار کو ہوا کرتی ہے اور اسی سے اور لوگوں کو فائدہ پہونچتا ہے لیکن آپ یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ میں بھی کچھ کم گناہگار نہیں، مجھے کبھی دولت نہ دینگے۔ بلکہ اس تنگ دل کو دیدینگے جو قناعت تو خیر کیا گناہ بھی اس ڈر سے نہیں کرتا کہ اس میں روپیہ کا خرچ ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ یہ جذبات مخالفت آپ کے خلاف بہت ترقی کر رہے ہیں، اور مجھے بحیثیت ایک بندۂ قدیم ہونے کے بڑا افسوس ہوگا اگر کسی وقت آپ خدائی سے معزول کر دئے گئے۔ ہر چند اُس وقت میرے لئے بھی یہ موقع ہوگا کہ کثرت آرا سے غالباً منصب خداوندی پر فائز ہو جاؤں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زیادہ کامیابی کے

کے ساتھ بندہ پروری کر سکوں، تاہم چونکہ آپ ایک زمانہ سے میرے خاندانی خدا چلے آرہے ہیں اور عرصہ سے یہ تعلقات باہمی قائم ہیں، اس لئے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اتنے دنوں کی مروت یوں توڑ دی جائے بہر حال اب وہ وقت نہیں رہا کہ یہ کام اس طرح زیادہ عرصہ تک چل سکے۔ کیونکہ آثار انقلاب قوی ہوتے جارہے ہیں اور تنقید و اعتراض کے لئے ہر شخص دلیر نظر آتا ہے۔ کل ہی کی بات ہے کہ ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحب یہ انسان کو جو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا گیا ہے، سو بتائیے کہ اسکی ساخت میں وہ کونسی تکمیل ہے، جس پر کوئی صناع یا خالق فخر کرسکتا ہے، ذرا سا ٹھنڈا پانی بے وقت پی لیجئے تو زکام، نزلہ، انفلوئنزا موجود، بے احتیاطی سے سوئی کی نوک بھی چبھ جائے تو خون کا فوارہ جاری، گرم ہوا لگی اور بخار مسلط، کوئی تیز خوشبو ناک میں پہونچی اور چھینک پر چھینک وارد، بیماریوں کا تو خیر ذکر ہی کیا کہ جتنے آدمی نہیں اتنی بیماریاں پیدا کر دی ہیں۔ انسان کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ کوئی آفت اس پر آئے، لیکن وہ "بے شرم" کھلونے کی طرح فوراً اٹھ کھڑا ہوا، کنوئیں میں ڈھکیل دو اور اپنے آپ کھٹ سے باہر نکل آئے، کوٹھے سے گرا دو اور پھر اُچک کر وہیں پہونچ جائے گرمی ہو تو سرخ بن جائے، سردی ہو تو انگیٹھی کی طرح دہکنے لگے، اور بارش آئے تو اچھی خاصی چھتری بن جائے۔ تنگ جگہ ہو تو سکڑ جائے۔ جگہ وسیع ہو تو پھیل جائے۔ جن چیزوں کا نام اعضاء رئیسہ رکھا گیا ہے۔ انکے ضعف و نقص کو اور اپنی بے بسی کو ملاحظہ کیجئے کہ نہ ان میں دفع مرض کی صلاحیت اور نہ ہم میں چارہ کار کی اہلیت، مثلاً دل و جگر وغیرہ کو دیکھئے جو اس قدر احتیاط سے بنائے گئے ہیں، لیکن انھیں ایسا چھپا کر رکھا ہے گویا جسم سے ان کا کوئی تعلق نہیں، نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں، نہ ان کا حال معلوم کر سکتے ہیں، خیر اس کو بھی جانے دیجئے، مرد بد نصیب تھا، جس طرح چاہا بنا دیا۔ لیکن عورت کی تخلیق میں تو لطافت و پاکیزگی کا لحاظ رکھا ہوتا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اس کو بول و براز سے مستثنےٰ کر دیا جاتا، یہ خیال کس قدر تکلیف دہ ہے کہ دنیا کی حسین سے حسین عورت بھی اسی گندگی میں مبتلا ہے۔

الغرض آپ کے بندے آجکل بہت آزاد ہوتے جاتے ہیں اور ضرورت ہے کہ آپ کبھی کبھی عرش کی بلندی سے اُتر کر اُن کی بھی سن لیا کریں اور اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم چند ذی ہوش فرشتے ہی ایسے متعین کیجئے جو صحیح صحیح خبریں آپ تک پہونچا دیا کریں۔

نہ اب کوئی پیغمبر آپ کی طرف سے آتا ہے، نہ معجزوں کا ظہور کسی سے ہوتا ہے، نہ من سلویٰ کسی پر نازل کیا جاتا ہے، نہ طور پر کبھی آپ جلوہ افروز ہوتے ہیں، نہ چاند کے دو حصہ کرکے اپنی قدرت کو نمایاں کرتے ہیں۔ یہ آخر قصہ کیا ہے۔

بنا بریں حالات، میری رائے ہے کہ آپ اب عجائب وغرائب کے اظہار پر آمادہ ہوجائیے اور سب سے پہلے مجھے غیر فانی بنائیے، خضر کے وجود سے اب لوگ انکار بھی کرنے لگے ہیں۔ اس لئے اچھا موقعہ ہے کہ مجھے ان کا جانشین بنا کر لوگوں کا منھ بند کیجئے۔ پھر یہ میرا ذمہ ہے کہ آپ کی خدائی کو از سر نو دنیا میں مستحکم کردونگا اور آپ کا یہ اضمحلال ہمیشہ کے لئے دور ہوجائے گا۔

مجھے امید ہے کہ آپ ضرور اس پر توجہ فرمائیں گے اور یہ خط پہنچتے ہی جبرئیل کو اپنی منظوری کا پروانہ لیکر بھیجیں گے۔"

آپکا بندہ خیر خواہ

میرابکائی

یہ خط پڑھنے کے بعد میں تو گھر چلا گیا۔ لیکن دوسری صبح یہ معلوم کرکے مجھے کس قدر افسوس ہوا کہ خدا نے بجائے جبرئیل کے عزرائیل کو ان کے پاس بھیجدیا اور اس طرح ہمارے میر بکائی خبطی انتہائی تمنا عمر جاوداں حاصل کرنے کی تھی دفعتاً قلب کی حرکت بند ہونے سے فنا ہوگئے۔ اور آخر کار انکا یہ اندیشہ پورا ہوکر رہا کہ "خدا مجھے نہیں چھوڑیگا اور ضرور مار ڈالے گا"

نگار

جولائی سنہ ۱۹۳۱ع

کیا ہوگا اور کیسا؟

جنوری سنہ ۳۱ع کے نگار میں اردو فراست التحریر کے متعلق ایک مستقل رسالہ شائع ہوچکا ہے۔ اب جولائی میں انگریزی فراست التحریر کا حصہ شائع کیا جائے گا تاکہ جن حضرات کے پاس جنوری کا رسالہ موجود ہو انکو یہ کتاب مکمل صورت میں ملجائے۔

وہ حضرات جنکے پاس جنوری کا رسالہ نہیں ہے یا جنوری کے بعد سے خریدار ہوئے ہیں ان کو اردو فراست التحریر کا حصہ ۸ر میں علاوہ محصول دفتر سے علیحدہ مل سکتا ہے۔

جن حضرات کا چندہ جون میں ختم ہورہا ہے انکو اپنا سلسلہ خریداری رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ایسی بے بہا کتاب سے محروم رہ جائیں گے۔

مینیجر "نگار"، لکھنؤ

باب المراسلۃ والمناظرۃ

واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون۔ (قرآن)

حضرت نیاز مدظلہ العالی کا ممنون و شکرگذار ہوں کہ انھوں نے میرے مطالعۂ حدیث کے مضمون دجال میں قرآن شریف کی آیت مذکورالصدر کی غلط فہمی سے مجھکو آگاہ کیا۔ میں نے اس آیت پر دوبارہ غور کیا۔ اور مجھے جو اشتباہ تکلمھم کے معنی پر تھا۔ اسکو اب میں صحیح نہیں سمجھتا۔ بلکہ میں اس آیت میں قرآن شریف کے ایک بے مثل پیشین گوئی کو پورا پاتا ہوں جو ہمارے سامنے موجودہ زمانہ میں ہو رہی ہے۔ جلالین نے بھی تکلمھم کے دو معنی دئے ہیں۔ اگر (ل) مشدد پڑھا جائے۔ تو اس کے معنی باتیں کرنے کے ہیں۔ مگر یہ معنی یہاں ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ البتہ اگر (ل) بلا تشدید کے پڑھا جائے۔ تو اس کے معنی آزار یا اذیت یا زخم پہونچانے کے ہوتے ہیں اور یہ معنی یہاں پر زیادہ موزوں ہیں۔

دابۃ من الارض۔ ارض پر ال داخل ہو کر اسکو ایک مخصوص زمین پر محدود کر دیتا ہے۔ یہ مخصوص زمین کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں اور کشاف نے اپنی تفسیر میں آیت "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" میں اسکی پوری صراحت کر دی ہے کہ ارض کے معنی ارض مقدس یا شام کے ہیں۔ جسکو اب فلسطین اور قدیم زمانے میں کنعان کہتے تھے۔ اور قرآن شریف میں اس آیت میں خدا کا مسلمانوں سے وعدہ ہے کہ وہ ارض مقدس کے وارث ہونگے (اس کا مقابلہ حضرت مسیح کی تمثیل انگور کے باغبانوں سے کرو جو انجیل مرقس و لوقا میں ہے۔ زبور داؤد اور مکاشفات دانیال میں یہی بشارت ہے)

اسکو زیر نظر رکھ کر پہلے جملے کے معنی صاف ہو جاتے یعنی ارض مقدس کی وراثت کا وعدہ جب مسلمانوں پر پورا ہو جائے گا۔ تو ہم ارض مقدس میں ایک دابۃ کو پیدا کرینگے۔ جو مسلمانوں کو زخم پہونچائیگا یا اذیت میں ڈالے گا۔ اس کے بعد ان الناس کانوا بایاتنا لا یوقنون صرف ایک اضافی و بے تعلق جملہ رہجاتا ہے۔ جو قرآن میں اختتام قول کے بعد اکثر اعادہ کیا گیا ہے۔

اب دابتہ کیا چیز ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جنگ عظیم میں جو توپ (Tanks) زمین پر چلنے والی اور فوجوں کو پیسنے والی ایجاد کی گئی تھی۔ اس کا نام عربی میں "دبابتہ" رکھا گیا ہے۔ اور بیت المقدس پر مسلمانوں کی پامالی میں جنگ عظیم کے زمانے میں اسی دبابتہ نے سب سے زیادہ کام کیا تھا۔

یہ تو خیر لطیفہ سے زیادہ نہیں۔ بہرحال میں نے جو غلطی دابتہ الارض کے متعلق ذکر دجال میں کی تھی اس سے میں رجوع کرتا ہوں۔ میں اس خیال میں تھا کہ کہیں دابتہ الارض سے وہ جانور تو مراد نہیں جسکا ذکر مکاشفہ یوحنا اور دانیال میں تھا۔ پھر سوال یہ ہے کہ وہ کیا ہے؟ اگر اس سے مراد صرف ہلاکت و تباہی ہو، تو پھر گفتگو اس میں ہوگی کہ آیا عربی زبان میں دابتہ کسی غیر ذی روح کے لئے استعمال ہوتا ہے یا نہیں؟

"حق گو"

(نگار) فاضل مقالہ نگار (حق گو) نے اس کا اعتراف تو کر لیا کہ تکلمھم بغیر تشدید لام کے درست ہے اور اس لئے آزار یا اذیت پہونچانے کے معنی میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں الارض اور دابتہ کے متعلق جو اظہار خیال انھوں نے کیا ہے۔ اس سے مجھے ہنوز اختلاف ہے۔

الارض کا مفہوم اختیار کرنے میں اُنھوں نے صاحب کشاف اور شاہ ولی اللہ کا تتبع کرتے ہوئے ارض مقدس اور شام کے معنے لئے ہیں۔ کیونکہ لفظ ارض پر الف لام تخصیص کا داخل ہے۔ مجھے اس سے اختلاف ہے، کیونکہ کلام مجید میں ہر جگہ لفظ ارض (جبکہ وہ کسی اور لفظ سے مضاف یا منسوب نہ ہو) الف لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور اس لئے صاحب کشاف اور شاہ ولی اللہ کے اصول کے مطابق ہر جگہ لفظ ارض سے کوئی مخصوص و متعین سرزمین ماننا پڑے گی۔ درآنحالیکہ ہر جگہ قرآنی مفہوم اور سیاق و سباق تعمیم معنی کو چاہتا ہے۔ مثلاً وسع کرسیہ السموات والارض میں کیا آپ الارض سے کوئی مخصوص حصۂ زمین مراد لیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس جگہ تخصیص کا مفہوم نہیں لے سکتا۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے:۔ امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء یہاں بھی ارض پر ال داخل ہے، لیکن مراد سارا کرۂ زمین ہے۔ اس لئے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آیت زیر بحث میں الارض سے کیوں سرزمین شام یا ارض مقدس مراد لی جائے، اور کیوں نہ اس سے روئے زمین مقصود ہو اور کیوں نہ اس سے ایک عام اصولی پیشگوئی تمام مفسدین کی تباہی کی مراد لی جائے۔

تکلمھم کے متعلق جناب حق گو نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اسے تشدید لام کے پڑھا جائے

تو اس کے معنے باتیں کرنے کے ہوں گے۔ اور اگر بغیر تشدید پڑھا جائے تو مجروح کرنے کا مفہوم ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ فاضل مقالہ نگار سے یہاں بھی تسامح ہوا۔ کلام ثلاثی حالت میں بھی مجروح کرنے کا مفہوم ظاہر کرتا ہے اور جب باب تفعیل میں استعمال کیا جائے تو بھی، یعنی کلم و تکلیم دونوں کے معنے ایک ہیں۔ البتہ جب باب تفعل میں اس کا استعمال ہو یعنی اس کا مصدر تکلم ہو تو بات کرنے کے مفہوم میں آئے گا۔ اس لئے آیت زیر بحث میں تخفیف لام کا ذکر غیر ضروری ہے کیونکہ یہاں باب تفعیل میں اس کا استعمال ہوا ہے اور لام کا مشدد ہونا ضروری ہے۔

اب رہا سوال دابّہ کے مفہوم کا، سو شکر ہے کہ ہمارے حق گو اپنے بتائے ہوئے مفہوم سے رجوع کرتے ہیں، لیکن ہنوز ان پر تذبذب کی کیفیت طاری ہے، اور وہ بھی محض اس لئے کہ معلوم نہیں عربی زبان میں لفظ دابّہ کسی غیر ذی روح کے لئے استعمال ہوتا ہے، یا نہیں، ان کو معلوم ہونا چاہئیے کہ اگر لفظ دابّہ فی الحقیقت کسی مہلک جانور یا چوپایہ و درندہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہو تو بھی اس کو مجازی حیثیت سے محض بہ معنی ہلاکت وتباہی استعمال کر سکتے ہیں۔ قرآن میں کثرت سے الفاظ کا استعمال مجازی معنے میں ہوا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی اگر دابّۃ الارض کا بھی کوئی مفہوم مجازی ہی لیا جائے۔

محمد عمر نعمانی۔ ایڈورڈ گنج۔ شملہ۔

شملہ۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

مکرمی محترمی جناب مولانا نیاز صاحب زاد لطفکم

السلام علیکم۔ میں عرصہ کے بعد مسلمانان ہند کے پنجاہ سالہ علمی مرکز اور حکومت ہند کے پایۂ تخت (علی گڑھ) کا طواف کرنیکے بعد حال ہی میں شملہ وارد ہوا ہوں۔ میں جس وقت یہاں سے روانہ ہوا تھا تو ۱۹۳۰ء اپنے آخری سانس گن رہا تھا۔

میری عدم موجودگی شملہ کے زمانہ میں نگار براہ راست شملہ پہنچتا رہا۔ اسلئے اب ورود شملہ پر نگار کے گذشتہ پرچے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ نگار کی جنگ "علمائے دین و مفتیان شرع متین" سے خوب ہوتی رہی۔ حقیقتاً آپ نے مطبوعہ فتوے جاری کر کے آلات رشد وہدایت کی سمائی فضاء میں تہلکہ ڈال دیا۔ ان کے خیالات اس فتوے کے متعلق چاہے کچھ ہی ہوں میرا تو خیال ہے کہ وہ آپ کو کشتنی و گردن زدنی تصور کرتے ہوں گے۔ لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ آپ نے ایک عبث بڑی سلامی

خدمت سرانجام دی ہے۔ جس چیز کو وہ اسلام سمجھ رہے ہیں وہ ایک سطحی شے ہے اور اسلام حقیقت نفس الامر میں جیسا کہ آپ سمجھ چکے ہیں بہت ارفع و اعلیٰ ضابطۂ عقائد، عبادات اخلاق و معاملات ہے۔ اس سے کون واقف کار انکار کر سکتا ہے۔ کہ آج ان "علمائے دین و مفتیان شرع متین" نے "صوم و صلوٰۃ، حج و زکوٰۃ" کی صوری ادائیگی کو اصل اصول اسلام سمجھ رکھا ہے۔ چند رسوم و رواج ہیں جن کو یہ حضرات اسلامی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیکر اسلام کو دنیا کے روبرو ایک افضل و اکمل مذہب کی صورت میں پیش کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں اور حقیقی محاسن و فضائل اسلام کو ناقص تعلیمات کی وجہ سے جہل و نادانی کے غلاف در غلاف پردوں میں مستور کر چکے ہیں۔ آج تو حالت یہ ہے کہ اطراف و اکناف ملک کے بعض ان مدارس عربیہ سے (جن کو ابھی یہ بھی معلوم نہیں کہ اقتضائے عالم میں کیا ہو رہا ہے) طلبہ درس نظامیہ کی چند فرسودہ اور بوسیدہ کتب رٹ کر نکلتے ہیں اور دنیا جہان کو اپنی معلومات ناقصہ کے مقابل ہیچ سمجھنے لگتے ہیں۔ پس۔

جس کی بہار یہ ہو تو اُسکی خزاں نہ پوچھ،

پھر آپ کو ان حضرات سے جائے شکایت کیوں ہو؟ دور نہ جائیے۔ پچیس تیس سال کا زمانہ گذر چکا کہ محض نصاب تعلیم کا مسئلہ زیر بحث و تحیص ہے۔ لیکن کس قدر افسوسناک امر ہے کہ اب تک اس بارے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ تا باصلاح بدعات و رسومات چہ رسد۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ جب تک ان ہادیان دین متین کا قلب ماہیت نہ ہوگا۔ جبتک نام نہاد صوفیائے وقت کے قلوب و اذہان میں تغیر عظیم رونما نہ ہوگا اور وہ قوالی رقص و سرود کی ذہنیت کو خیرباد نہ کہینگے موجودہ مسلمانوں جیسی علم و عرفان سے عاری قوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ بہرکیف اوائل ۳۱ء سے اگر ایک طرف آپ ان خدائی فوجداروں سے دست و گریباں تھے تو دوسری جانب نیاز کیش بھی پانچ چار ماہ نچلا نہ بیٹھ سکا دوران قیام علی گڈھ میں بعض احباب نے فرمائش کی کہ میں اپنے ناچیز خیالات سے عامۃ المسلمین کو بہرہ ور ہونے کا موقع دوں۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ممکن تھا کہ میں خاموش رہتا۔ ماہ رمضان کے مبارک ایام تھے۔ جامع مسجد میں میری تقریریں ہوئیں۔ لیکن عجب حسن اتفاق کہ جن امور کو آپ ایک طرف "علماء دین" کی خدمت میں پیش کر کے ان کے مزعومات باطلہ اور ظنیات لاطائلہ کے بتوں کو توڑ رہے تھے۔ میں علی گڑھ کے محراب منبر سے عبادات اسلامیہ کی اصلی غرض و غایت کا غلغلہ بلند کر رہا تھا۔ میں نے بلا لومتہ لائم بیان کیا کہ رسمی عبادات جن کے مسلمان خوگر ہو چکے ہیں۔ ہرگز مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اگر انھیں اپنی آئندہ سود و بہبود مدنظر

اور وہ دنیا میں زندہ رہنا چاہتے ہیں تو رسمیات کو خیرباد کہکر اسلامیات کی اصلی و حقیقی کائنات میں قدم رکھیں۔ عبادات کی غایت الغایات کو سمجھیں۔ عقائد مذہبی سے صحیح طور پر آگاہ ہوں۔ اخلاقیات کو اپنا دستور العمل بنائیں اور معاملات کو معاملات سمجھ کر سرانجام دیں۔ ورنہ محض اسلام اسلام پکارنا اور مسخ شدہ تعلیمات اسلامیہ پر تکیہ کرنا مسلمانوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ یقین جانئے میں نے بھی ڈنکے کی چوٹ کہا اور تعلیمات قرآنیہ سے ثابت کیا کہ تمام ارکان اسلام کے اغراض و غایات علوئے اخلاق و روحانیات کے سوا کچھ نہیں۔ اس پر عربی مدرسہ کے ایک فارغ التحصیل مولوی نے جیسا کچھ سیخ پا ہو کر منہ کی کھائی وہ ارباب علی گڑھ پر خوب روشن ہے۔ آخر علی گڈھ علیگڈھ ہے۔ وہاں کم از کم علوم و فنون کے ماہرین کی تو کمی نہیں۔ انھوں نے حق و باطل میں تمیز کی۔ اور ناچیز خیالات کے اظہار پر میری حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ میں نے بھی اگر حقیقت حال کے اظہار کو خودستائی پر محمول نہ کیا جائے۔ آیتوں اور روایتوں سے حتی الامکان ثابت کر دیا کہ ارکان اسلام وسعت اخلاق و ارتقاء روح کے حق میں نفس ناطقہ کا حکم رکھتے ہیں اسی لئے عرب میں یہ روایتی مثل زبان زد چلی آتی ہے کہ

لا تصلح اُمۃ حتی تصلح اخلاقھا.....

اور احسنا بکم اخلاقکم والنبا بکم اعمالکم ہی اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان علمائے اسلام کی مخالفت نے آپ کے سمند ہمت پر تازیانہ کا کام کیا ہوگا۔ اور آپ بھی اپنے سطح نظر اور مطرح فکر میں بیش از بیش سینہ سپر ہو کر ظاہر پرستی کے تار و پود کو تار عنکبوت ثابت کر دکھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

(نگار) مجھے یہ معلوم کر کے کس قدر مسرت ہے کہ آپ نے نگار کی مذہبی خدمات کا اعتراف صرف زبان ہی سے نہیں کیا۔ بلکہ عملاً اس کے استحسان کا ثبوت پیش کیا۔ اس وقت نہیں بلکہ ہمیشہ سب سے بڑا امداد دہی سمجھا گیا۔ جس نے حق و صداقت کی تبلیغ میں کسی مخالفت کی پرواہ نہیں کی۔ اور اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ میں آپ کے اس مردانہ عزم کی داد نہ دوں۔

اگر آپ کبھی لکھنؤ تشریف لائیں اور نگار کی ڈاک ملاحظہ فرمائیں تو آپکو معلوم ہو کہ دنیا اُس آواز کے لئے کس قدر بیتاب تھی جس کے بلند کرنے کی توفیق عرصہ سے کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی، اور ہر شخص اُس حقیقتِ کبریٰ کو بے نقاب دیکھنے کے لئے کس درجہ مضطرب تھا۔ جس کے چہرہ کو مدارس کے مولویوں

محراب و منبر کے واعظوں اور خانقاہ کے مشایخ نے اپنی غلط تعلیم، اپنی لغو تبلیغ اور اپنی لایعنی تصریحات سے گرد آلود و مستور بنا رکھا تھا۔

ڈڈرو کا قول ہے کہ:" بادشاہ وقت انسانوں کو مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ اور علماء دین عقول انسانی کو۔ بادشاہ کا وجود نہ رہے تو انسان آزاد ہو جائے اور علماء دین نہ ہوں تو فکر انسانی آزاد ہو جائے اس لئے زمین کے آخری بادشاہ کا گلا اُس تانت کے پھندے سے گھونٹ دو جو سب سے آخری عالم دین کی آنت سے طیار کی گئی ہو۔"

اس لئے جہاں تک ممکن ہو تانت کے یہ پھندے طیار کرتے رہئیے اور دنیا سے اس موذی ذریت کے جراثیم کو مٹاتے رہیئے کہ اب یہی ہے اصل خدمت اسلام کی اور انسانیت کی۔

دو نئی کتابیں

نقاب اُٹھ جانے کے بعد

حضرت نیاز فتحوری کے اُن افسانوں کا مجموعہ جن میں بتایا گیا ہے۔ کہ:" ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہیں۔" حضرت نیاز کا مخصوص انداز تحریر اور زور قلم ان افسانوں میں بدرجہ کمال نظر آتا ہے۔ جا بجا وہ مزاحیہ رنگ جو جناب نیاز کی تحریر کی خصوصیت ہے عجیب لطف دیتا ہے۔ قیمت مع محصول ۸ر

لالہ رُخ

طامس مور کی اس معرکۃ الآرا مثنوی کا ترجمہ نگار کے اول سال اشاعت میں بالاقساط شائع ہو کر جتنی قبولیت حاصل کر چکا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، ایک تو طامس مور کی نزاکت خیال اور پھر ملک کے ادیب جلیل جناب لطیف احمد اکبرآبادی کا ترجمہ جتنی بھی تعریف کیجائے کم ہے۔ اس کتاب میں چار افسانے ہیں (۱) ابن مقنع (۲) بہشت اور پری (۳) آتش پرستاران فارس (۴) نور محل۔ اور ہر افسانہ اپنی جگہ نزاکت خیال اور شاعرانہ تخیل کا ایک ایسا بہترین نمونہ ہے کہ مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے اور جسکو پڑھکر انسان پر سکر کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ قیمت معہ محصول عہ

نوٹ۔ دونوں کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے پر معہ محصول عہر میں مل سکتی ہیں۔

منیجر "نگار" لکھنؤ

موجِ کوثر و تسنیم

یہیں اودھ کی ایک خاتون نے جو باوجود برافگندہ نقاب رہنے کے، اپنی شخصیت کو بے حجاب کر دینے پر کسی طرح راضی نہیں، ایک تحریر کے ساتھ ذیل کے چند اشعار اشاعت کی غرض سے روانہ کئے ہیں۔ آپ لکھتی ہیں کہ:-

"مجھے یہ معلوم ہے کہ آپ عورتوں کی غزلگوئی کو پسند نہیں فرماتے اور پھر بھی یہ جرأت کرتی ہوں کہ آپ ہی کے پاس یہ چند اشعار بغرض اشاعت بھیج رہی ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نہ شاعرہ ہوں، نہ شعر فہمی کی مدعی، لیکن پھر بھی گاہے گاہے، بے اختیار کسی خاص اثر کے ماتحت متفرق ابیات قلم سے نکل جاتے ہیں، حیران ہوں کہ انھیں کیا کہوں۔ وزن و تقطیع سے بے نیاز ہونے کا نام نثر ہے۔ اس لئے یہ نثر تو یقیناً نہیں ہیں، مزخرفات میں البتہ ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ بہرحال اشاعت و عدم اشاعت کا اختیار آپ کو حاصل ہے۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کیا بلا ہے۔ آپ غالباً یہ سُن کر حیران ہونگے کہ میرے پاس اسی نوع کی پریشان خیالی کا ایک ضخیم دفتر موجود ہے۔ یہ چند ابیات صرف وہ ہیں، جو گزشتہ رات کی تنہائی میں بے اختیار زبان پر جاری ہو گئے۔

وہ صورت بھلا یوں کہیں بھولتی ہے ــــ نہیں بھولتی ہے نہیں بھولتی ہے

چارہ کار اُن کو کیا معلوم ــــ جان جو زندگی پہ دیتے ہیں،

جاؤ تم سے چارۂ دل ہو سکا ــــ چارۂ دل کتنے ہو مشکل نہیں،

تم کو کیا خود مجھے یقین نہیں ــــ بے تمہارے میں جی گئی اب تک

زمانہ مجھ سے خفا ہے تو ہو نہ دو لیکن خدا کے واسطے تم تو خفا نہ ہو مجھ سے

کہاں تک لکھے جاؤں خط اُنکو ہمدم وہ جب پڑھ لیتے ہیں یونہی بھولتے ہیں

کیا کہا تم نے کہ "کیا تو نے دیا ہے اے تو" گو نکمی سہی اک جان ہو باقی لے لو

چند دن آہ، یہاں ہیں بھی خدائی کرلو جھوٹ ہی کہدو کہ "ہاں تجھ سے محبت ہے مجھے"

بانسری بج رہی تھی دور کہیں رات کس درجہ یاد آئے ہو تم

کل کا بھی دن کیا یونہی ٹل جائیگا آج کی شب اور کروٹیں جھیل لیں

راقمہ.............

محترمہ۔ میں یقیناً عورتوں کی غزلسرائی کا مخالف ہوں، نہ کہ دردسرائی کا۔ آپ کا ایک ایک شعر آپکے تاثرات عمیق کی تصویر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس درد مجبوری کے ماتحت آپ کے دل سے یہ پارہ ہائے آہ نکلے ہیں، وہ اس قدر بلند و معصوم چیز ہے کہ عورت کیا معنے تو بڑے بڑے شاعروں کے کلام میں بھی نظر نہیں آتی آج کل عورتوں کی شاعری بھی (بہت سے مردوں کی طرح) یکسر اکتسابی ہوتی ہے جس سے سوائے شہرت اور نام و نمود کے کچھ اور مقصود نہیں ہوتا۔ اور میں اسی چیز کا مخالف ہوں۔ مجھے آپکی اس عالی ظرفی اور بلند نظری پر رشک آتا ہے کہ باوجود اس قدر پاکیزہ اشعار کہنے کے بھی آپ اپنے نام کا اظہار پسند نہیں فرماتیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر میں خود ذاتی طور پر آپ کی اعلےٰ تربیت سے آگاہ نہ ہوتا یا یہ کہ خود آپ کے اشعار کا ایک ایک لفظ اگر اس لطافت خیال اور رقت جذبات کا شاہد نہ ہوتا جو دنیا میں صرف عورت ہی کے محبت کرنے والے دل کی خصوصیت خاصہ ہے تو میں کبھی یقین نہ کرتا کہ یہ اشعار آپ ہی کے یا ہندوستان کی کسی عورت کے ہو سکتے ہیں، جہاں مردوں سے غزلیں اور مضامین لکھوا کر اپنے نام

سے شائع کرانے کی ذلیل عادت وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔

آپ کے یہ تمام اشعار بالکل اسی نوع کے ہیں جو ہندی شاعری میں "کسی بیوگنی" کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں، وہی دردمندی، وہی بیچارگی وہی انہماک محبت اور وہی عجز و فتادگی جو ہندوستانی عورت کا خمیر ہے آپکے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔ افسوس ہے کہ نگار کے صفحات اسکی اجازت نہیں دیتے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپکا ایک ایک شعر مستقل گفتگو چاہتا ہے۔

خدا کرے آپ خوش رہیں کہ ایک زمانہ کے بعد آپ نے ایسے ایسے پاکیزہ شعر سنا کر تھوڑی دیر کیلئے مجھے وہ عہد ماضی یاد دلا دیا جب زندگی واقعی عبارت تھی صرف "بانسری کی آواز" سے گو یہ کہنے والا کوئی نہ تھا کہ "رات کس درجہ یاد آئے ہو تم ——"

بہرحال نگار کے صفحات آپکی اس جمیل "پریشان خیالی" کے شیرازہ بندی کیلئے ہر وقت حاضر ہیں اور میں شکر گذار ہونگا اگر آپ وقتاً فوقتاً اس "مجموعۂ پریشانی" کو جو عرفی کی زبان میں "خیال زلف" سے کم دلکش نہیں ہے، نگار کے لئے منتشر فرماتی رہیں گی

"نیاز"

نہایت ارزاں سودا

نگارستان عہ/ شہاب کی سرگزشت عمہ/ فراست الید عمہ/ فراست التحریر اردو رسم الخط ۸/ جذبات بھاشا ۱۲/ ایک شاعر کا انجام ۱۰/ صحابیات ع ۲/ گہوارہ تمدن عہ/ تذکرہ خندۂ گل للعہ/ لالۂ رخ عمہ/ نقاب اٹھ جانیکے بعد ۸/ موج تبسم مجلد عہ/ بجر تبسم مجلد عہ/

کل میزان عنہ ۲ ۱۲/ علاوہ محصول

لیکن

یہ تمام

کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے پر مع محصول صرف للعہ ۱۴/ میں ملسکتی ہیں۔ ہر آرڈر کیساتھ ایک چوتھائی قیمت وصول ہونا ضروری ہے۔

مینیجر "نگار" لکھنؤ

(بسلسلہ صفحہ ۱۰)

اشاعت کے یکسالہ قیام کے اندر جس محنت و جانفشانی سے لیکر متعدد کتابیں شائع کیں، وہی بجائے خود قابل ستائش امر تھا چہ جائیکہ اسی کے ساتھ ایک نہایت ہی بلند و پاکیزہ ذوق کا ماہوار رسالہ جاری کرنا اور صرف تنہا اپنے دماغ کے اعتماد پر! مجھے امید ہے کہ ارباب ذوق ایوان اشاعت کے ممبر ہوکر جناب مجنوں کی خدمات کا اعتراف کرینگے اور ایک ایسے شخص کی خدمات سے ملک کو مستفید ہونے دینگے جس سے اگر آپ چاہیں تو بہت کچھ کام لے سکتے ہیں۔

غالباً سینکڑوں ہی بار اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ خریداران نگار کو تبدیلی پتہ یا عدم رسی رسالہ کی اطلاع دینے کی غرض سے جب خط و کتابت کی ضرورت ہو تو نمبر خریداری ضرور تحریر فرما دیں، لیکن افسوس ہے کہ بعض حضرات پھر بھی اسطرف مطلق توجہ نہیں فرماتے اور بعض تو یہ ستم کرتے ہیں کہ اپنا نمبر خریداری ۱۰۲ لکھدیتے ہیں جو نگار کا رجسٹرڈ نمبر ہے۔ نہ کہ کسی کا نمبر خریداری۔ نمبر خریداری وہ ہے جو پتہ کے داہنی جانب ہر ماہ بلیو بلیک سیاہی سے درج کیا جاتا ہے۔ اگر آپ صرف ایک بار اسکو غور سے پڑھکر کسی جگہ نوٹ فرمالیں، تو ہمیشہ کے لئے ہماری اور آپ کی دقت رفع ہو جائے۔

بعض حضرات یہ لکھدیتے ہیں کہ فلاں ضلع کے خریدار ہیں ہمارا نام و پتہ ڈھونڈھ لیا جائے۔ انکو شاید اسکا علم نہیں کہ رجسٹر خریداران ضلع وار مرتب نہیں کیا جاتا اور اسلئے انکے اس ارشاد کی تعمیل کیونکر ممکن ہے۔

وہ حضرات جن کے پاس رسالہ کسی ماہ کا نہیں پہونچتا انکے لئے بہت آسان ہوتا ہے کہ وہ دفتر کو مورد الزام قرار دیں، انکو کبھی خیال نہیں ہوتا کہ ممکن ہے راستہ میں پرچہ گم ہوگیا ہو یا یہ کہ خود اُنکی ڈاک کا انتظام درست نہ ہو یا یہ کہ اُن کی عدم موجودگی میں رسالہ آیا ہو اور کسی نے اُسکو غائب کردیا ہو۔

جسوقت رسالہ طیار ہوتا ہے تو فہرست خریداران سے پتہ کے کاغذ کا کم از کم دو بار مقابلہ کرلیا جاتا ہے تاکہ کوئی نام رہ جائے اور اسکے بعد پرچہ ڈاکخانہ روانہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ احتیاط ممکن نہیں۔ لیکن پھر بھی بعض حضرات کو رسالہ نہیں پہونچتا اور کسی نہ کسی طرح راستہ میں یا اُنکے پاس پہونچنے سے قبل غائب ہو جاتا ہے۔ اسکے صرف دو علاج ہیں ایک یہ کہ ہر خریدار اپنے مقامی ڈاکخانہ کو توجہ دلائے اور ڈاکیہ کو تاکید کیجئے کہ وہ آپکی ڈاک کسی اور کے حوالہ نہ کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ۲۰ سے قبل ہی پ عدم رسی کی اطلاع دفتر کو دیدیجئے تاکہ پرچہ دوبارہ روانہ کردیا جائے۔ بعض حضرات دو دو ماہ کے بعد چونکتے ہیں اور جب ہم پرچہ ختم ہو جانیکی وجہ سے تعمیل نہیں کرسکتے تو برہم ہوتے ہیں حالانکہ اُنکو سمجھنا چاہئے کہ قاعدہ کی عدم پابندی کا بار کس پر ہونا چاہئے۔

لائبریریوں، اخبار خانوں اور مدارس سے اس قسم کی شکایات زیادہ ہوتی ہیں۔ اسکی وجہ کھلی ہوئی یہ ہے کہ ان مقاموں میں ڈاک کسی خاص شخص کے حوالہ نہیں کیجاتی اور رسالہ کا مکتوب الیہ تک پہونچنے سے قبل ہاتھوں ہاتھ کہیں سے کہیں پہونچ جانا بالکل ممکن ہے۔ کیا آئندہ آپ ان امور کا لحاظ رکھیں گے۔

نیاز

حقیقتِ شاعر

طعنہ زن ہیں، مجھ پہ اہلِ دعوئے فضل و کمال
یعنی میں "صرف ایک شاعر" کے سوا کچھ بھی نہیں
کارواں بیتاب ہے، تدبیرِ منزل کے لئے
مجھکو لیکن شورشِ بانگِ درا کچھ بھی نہیں
موت کے سائے میں ہی دنیائے فانی کا نظام
اور مجھے اندیشۂ دامِ فنا کچھ بھی نہیں
لے رہا ہی ذرہ ذرہ درسِ تکمیلِ حیات
اور یہاں اک ناتمامی کے سوا کچھ بھی نہیں
اُسطرف، تعمیرِ گیتی میں ہزاروں انقلاب
اور ادھر یہ جوشِ ہمت آزما کچھ بھی نہیں
دوڑتا ہے، خار و خس کی نبض میں خونِ چمن
میرے حق میں نغمۂ موجِ صبا کچھ بھی نہیں
سطح پر، بکھرے ہوئے ہیں سینکڑوں جلوے، مگر
مجھکو یہ نظارۂ بینش فزا کچھ بھی نہیں
حیف، وہ بیگانۂ احساسِ دل، جسمیں کہیں،
سوزِ ناکامی، نشاطِ مدعا کچھ بھی نہیں

الغرض ہر شے میں ہیں بیدار آثارِ حیات
موت کے حجرے میں ہی خوابیدہ میری کائنات

نکتہ چیں احباب، اس الہام و دانش کے عوض
کاش کچھ اپنی حقیقت پر نظر فرما سکیں
مطمئن ہے جسکے زیرِ سایہ شاعر کا دماغ
کاش یہ اُس منزلِ علم و یقیں کو پا سکیں
کاش، انکی سطح بیں نظریں گھڑی بھر کیلئے
روحِ شاعر کے عمیق اسرار تک بھی جا سکیں
بند ہے شاعر کے سینے میں جو طوفانِ حیات
کاش، اُسکی شورشیں انکی سمجھ میں آ سکیں
نطق کے افسوں سے تسخیرِ روح کو بالیدگی
دل پہ جو گرتی ہیں، ایسی بجلیاں چمکا سکیں
چند لفظوں میں گرہ اسرارِ دل کی کھولدیں
جنبشِ لب سے دماغِ فکر کو چونکا سکیں
کاش ان اہلِ ہوس کے سامنے بھی صبح و شام
شاہدِ فطرت کی زلفیں دوش پہ لہرا سکیں

کاش یہ بھی سُن سکیں سازِ حقیقت کی صدا،
نبضِ گیتی میں حیات افزا لہو دوڑا سکیں،

ذرّہ ناچیز اور شانِ جلالِ آفتاب!
ناتواں سی اک نظر اور سامنے اتنے حجاب!!

تو اگر مے کی لطافت سے نہیں ہے آشنا
کون کہتا ہے، گدائے کوچۂ میخانہ ہو

بے خبر ہے کیف کے رازوں سے گر تیری نگاہ
کون کہتا ہے، فدائے نرگسِ مستانہ ہو

تیری فطرت ہے، اگر بیگانۂ ذوقِ حیات
کون کہتا ہے، رہیں گردشِ پیمانہ ہو

روح کے اسرارِ بیداری سے گر واقف نہیں
کون کہتا ہے کہ تو صرفِ رہِ بتخانہ ہو

تیرے دل ہی میں نہیں گر رازِ ہستی کی تلاش
کون کہتا ہے کہ تو بیہوش بن، دیوانہ ہو

تو اگر ہے ناشناسِ جلوۂ تسکینِ روح
کون کہتا ہے، حریفِ شورشِ پروانہ ہو

تو اگر ہے ناپذیرِ عشرتِ نازِ دنیا ز
کون کہتا ہے کہ محوِ جلوۂ جانانہ ہو

تو سمجھتا ہے، اسے غافل! اسیرِ دامِ عقل
طائرِ اسرارِ ہستی ہی کہیں عنقا نہ ہو

سُن کہ تو کس دانشِ بیدار پر مغرور ہے
دور ہی منزل سے اے سیاح کوسوں دور ہے

میں دکھاؤں آ تجھے آئینۂ سترِ ازل
تاکہ تیری روح پر طاری ہو عرفاں کا جلال

شعر کیا ہے، خود تری فطرت کا اک پیغام ہے
جس کو پہنچاتا ہے تجھ تک شاعرِ نازک خیال

تیرگی کے قلب کی آواز سن سکتا ہے تو
تو اگر پہچانتا ہے جنبشِ نبضِ جمال

تیرے سینے میں اگر روشن ہے فطرت کا چراغ
گر تجلّی گاہِ عرفاں ہے تری بزمِ کمال

گر ترے امروز میں ہے جامِ فردا کا سرور
گر ترے آغاز میں ہے، جلوۂ حسنِ مآل

تجھ سے کرتی ہے اگر صبحِ درخشاں گفتگو
تجھ سے شامِ تار اگر لیتی ہے درسِ قیل و قال

تو اگر ہے رازدانِ ہستیٔ دانش فریب
تو اگر ہے، بے نیازِ حلقۂ دامِ خیال

ہاں یہ ممکن ہے، تری فطرت ہی گر اتنی بلند
ورنہ فہمِ ہستیٔ شاعر ہے تحصیلِ محال

در سفالین کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمتِ جامِ جہاں بیں کردہ اند
(حافظ)

علی اختر (حیدرآباد)

پرتوِ غیب

ہنوز شعلہ ہے پردے میں منھ چھپائے ہوئے / مگر کنول ہیں کہ روشن ہیں بے جلائے ہوئے
ہنوز یار ہے خلوت گزینِ حجلہ نشیں / تمام بزم کے چہرے ہیں مسکرائے ہوئے
ہنوز قطرۂ نیساں ہے اور ضمیر سحاب / مگر صدف میں ہیں موتی سے جگمگائے ہوئے
کھلے ہوئے ہیں صبا میں ہزار ہا نافے / اگرچہ زلف میں ہیں وہ گرہ لگائے ہوئے
ہنوز غیبتِ خورشید سے افق ہے اداس / تمام دشت کے ذرے ہیں جگمگائے ہوئے
رچی نہیں ہے فلک پہ ہنوز شادیِ ابر / چمن کی خاک ہے خود کو دلہن بنائے ہوئے
ہنوز میان سے باہر نہیں ہوئی ہے وہ تیغ / پڑے ہیں کتنے مگر خون میں نہائے ہوئے
نہیں ملا ہے صبا کو ہنوز اذنِ خرام / مگر چراغ ابھی سے ہیں جھلملائے ہوئے
ضمیر سنگ میں خوابیدہ ہے جمالِ صنم / ابھی سے کتنے برہمن ہیں سر جھکائے ہوئے
چہک رہے ہیں عنادل لہک رہی ہے نسیم / ہنوز غنچۂ رنگیں ہے سر جھکائے ہوئے
سلگ رہے ہیں برابر ہزار ہا خرمن / ہنوز ابر میں بجلی ہے منھ چھپائے ہوئے

خبر ہے جوش اٹھے گی کسی کی آنکھ ادھر
دلوں کو لوگ کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

جوش ملیح آبادی

تو—؟

اے کہ، مجھکو آرزو کے خواب دکھلاتا ہے تو!
آنکھ کھلنے پر کہاں؟ روپوش ہوجاتا ہے تو!
چاندتاروں کے مسرت خیز نغمے اور ہیں!
کہکشاں کے کیف سے لبریز نغمے اور ہیں!
اور ترے، نشتر سے بڑھکر تیز نغمے— اور ہیں!
کس جگہ ہو کر نہاں؟ یہ تیر" برساتا ہے تو!

(۲)

بوئے گل لاتی ہے جب تیرے تبسم کا پیام!
کوئی کہتا ہے، کہ تو گلشن میں ہے محوِ خرام!
دوڑتا ہوں، اور آجاتا ہوں، بے نیل مرام!
کون سے پردے میں اے محبوب چھپ جاتا ہے تو!

(۳)

آنکھ اٹھاتا ہوں تو گویا جلوہ آرا ہے— توہی!
سر جھکاتا ہوں تو جیسے دل میں بیٹھا ہے— توہی!!
چونک اٹھتا ہوں تو اک موہوم دنیا ہے— توہی!!!
پاس آآکر کہاں کو سوں نکل جاتا ہے تو!

گیت گائے جائیں بزم زہرۂ و ناہید میں!!
دوڑتے پھرتے ہوں نغمے— دامنِ خورشید میں!!
اور" مایوسی" ہو میری— محفلِ امید میں!!
کیوں ہر اک ذرے کو خاموشی سکھا جاتا ہے تو!

(۴)

تیرے غمزوں سے کوئی بے اعتنائی سیکھ لے ،
کس طرح ہوتا ہے خونِ آشنائی ۔ سیکھ لے !
سیکھ لے ، بس کوئی تجھ سے بیوفائی ، سیکھ لے !
پھیر کر آنکھیں مجھے برباد کر جاتا ہے تو !

(۵)

آبشاروں کو تری مستی سے ہشیاری ، ملے !
تیری نکہت سے چمن زاروں کو گلباری ، ملے !
شمعِ دل کو "مرگِ الفت" کی عزاداری ، ملے !
یاد بھی ہے ؟ چارہ سازِ عشق کہلاتا ہے تو !

(۶)

آنسوؤں کو میرے صبحِ شبنمستانیں ۔ نہ ڈھونڈھ
میری آہوں کو ۔۔۔ فضائے نغمہ ساماں نہ ڈھونڈھ
میرے دل کی آگ کو ۔۔۔ شمع فروزانیں نہ ڈھونڈھ
میں وہی ہوں جس سے اے محبوب شرماتا ہے تو !

(۷)

آہ ! بس رہنے دے ، تحقیرِ غمِ پنہاں نہ کر !
خونِ دل ہو جائے گا ۔ خونِ دلِ نالاں نہ کر !
عشق کے کمزور ہاتھوں سے جدا داماں نہ کر !
چھوڑ کر مجبورِ الفت کو کہاں جاتا ہے تو !

روش صدیقی

فلسفۂ مذاہب

مولوی سید مقبول احمد صاحب کی وہ معرکتہ الآرا تصانیف جس نے تمام ملک کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے ۔ قیمت معہ محصول (عہ)
مینیجر "نگار" لکھنؤ

رجزِ معنوی

جلا دیتا ہے جوہر کو گرفتارِ بلا ہونا
جبھی شیوہ ہے اہلِ درد کا درد آشنا ہونا

مرے پہلو میں دل ہی چھانٹ کر رکھا ہے قدرت نے
نہ کیا سے کیا ہوا ہوں اور ابھی ہے کیا سے کیا ہونا

حقیقت زندگی اور موت کی آئینہ ہے مجھ پر
وہ محوِ جستجو رہنا یہ نذرِ مدعا ہونا

نہ جینے کے برابر ہے جہاں میں رائگاں جینا
وہ ہونا خاک ہونا ہے نہیں جو کام کا ہونا

نہ کیوں تدبیر کی شمشیر کا صیقل ہو ناکامی
مری قسمت میں ہے درماندۂ ارض و سما ہونا

میں قطرہ ہوں مگر ایسا کہ جو ساحل نہیں رکھتا
میں ذرہ ہوں مگر ایسا جسے ہے خود نما ہونا

اٹھیں برسوں کی بیماری سے اللہ نے شفا بخشی
مبارک ہو دعاءِ صبحگاہی کا دوا ہونا!!

آمین حزیں

دو تبسم

یعنی جناب شوکت تھانوی مشہور مزاحیہ نگار کے مجموعہ مضامین کی

دو جلدیں

موجِ تبسم اور بحرِ تبسم

موجِ تبسم: مجلد علاوہ محصول (عہ) غیر مجلد علاوہ محصول (عہ)

بحرِ تبسم: مجلد علاوہ محصول (عہ) غیر مجلد علاوہ محصول (عہ)

دونوں معہ محصول مجلد / غیر مجلد للعہ / للہ میں

اگر دیکھنے کے بعد آپ واپس کرنا چاہیں گے۔ تو محصول ڈاک وضع کرکے آپ کی رقم آپ کے پاس بھیجدی جائے گی۔

مینیجر "نگار" لکھنؤ

غزلیات

(ذہین فاروقی)

بندِ نقاب وا نہ ہوا وا کئے بغیر
مانا نہ کوئی راز کو افشا کئے بغیر

دنیا میں وجہ برہمیِ دل نہیں کوئی
پہچانتا ہوں تم کو تماشا کئے بغیر

پاسِ وفائے وعدہ یہ غالب تھی شانِ حسن
اُٹھا نہ یہ حجاب تقاضا کئے بغیر

معصومیت وہ حسن کی اب کیا کہے کوئی
شرما گئے وہ عرض تمنا کئے بغیر

میں ہوں فریب خوردۂ نیرنگِ آرزو
ملتے ہیں آپ۔ اور تمنا کئے بغیر

تنہائی خیال مجھے کب ملی ذہین
دنیا کو نذرِ شورشِ تنہا کئے بغیر

قیامت خیز منظر حسن و الفت کا تصادم تھا
میری آنکھوں میں آنسو تھے ترے لب پر تبسم تھا

فراموشی مری تیرے تجسس میں قیامت تھی
میں تھا محوِ طلب اور باعثِ شوقِ طلب گم تھا

ذہین اور آپ اُسکو بھول جائیں اُسکی مرضی ہی
فراموشی کے قابل وہ سزاوارِ ترحم تھا

یوں مجھ کو بزمِ ناز میں دیکھا نہ کیجئے
مرے مذاقِ عشق کو رسوا نہ کیجئے

جلوہ اور اس ادا سے کہ پروا نہ کیجئے
جی چاہتا ہے آنکھ بھی اب وا نہ کیجئے

ہے کفرِ عشق آرزوئے غیر اسلئے
اپنے سوا کسی کی تمنا نہ کیجئے،

یہ ہے علاجِ شکوۂ رسوائی نظر
جب کوئی دیکھتا ہو تو دیکھا نہ کیجئے

منظور مجھ کو کشمکشِ ضبط و اضطراب
ہاں اپنے التفات کو رسوا نہ کیجئے

مجھکو تو صبر تھا ستم گاہ گاہ پہ
یہ بھی اگر بُرا ہے تو اچھا نہ کیجئے

اب تو ذہین یاس ہی انجام کار ہے
کیا کیا امید کیجئے کیا کیا نہ کیجئے

(مجازی لکھنوی)

راہ تحقیق میں دہوکہ نظر آتا ہی مجھے — علم خود جہل کی جانب لئے جاتا ہی مجھے
راہبر آپ تو منزل کا پتہ پا نہ سکا — پھر وہ کس منھ سے بھلا راہ بتاتا ہی مجھے
جب عداوت میں مزا تھا تو ہوئے دوست عدو — خود غرض سارا زمانہ نظر آتا ہی مجھے
دل کے عالم کا بدلنا تھا کہ دنیا بدلی — راز ہی راز جہاں میں نظر آتا ہی مجھے
عمر بھر میں مری تحقیق یہاں تک پہونچی — یہ جہاں ایک معمّا نظر آتا ہی مجھے

اے مجازی غم ہستی نہیں جھیلے جاتے
لا کوئی جام مے ناب ۔ پلاتا ہی مجھے

کاجل ۔ سُرمہ ۔ چورن ۔ منجن

(اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤں کا اطمینان کر کے اپنی رائے انکے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات میں ظاہر کی ہی۔)
دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو:۔ "سُرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لئے بہت مفید ہوا، ایک شیشی اور بھیجدیجئے۔"
(سید رضا ۔ نزد پرسونیتھ) (لوت محل)

کاجل آشوب، سرخی، ضعف بصارت کے لئے از بس مفید ہے ۔ ایک ڈبیہ جو ایک شخص کے لئے سال بھر کو کافی ہے ۔ قیمت (۴/عہ)

سُرمہ یہ بیش بہا سرمہ ۴۰ دن میں تیار ہوتا ہی ۔ اس میں نہ ممیرہ ہی نہ کوئی جواہر بلکہ معمولی سرمہ ہی جسکو جڑی بوٹیوں کے عرق میں پیسکر طیار کیا جاتا ہے ۔ اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ جالا، دہند، موتیا بند، اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہی اور بارہا آزمایا ہوا ہی ۔ قیمت فی پڑیا (عمر) علاوہ محصول

چورن یہ دوا اکسیری چیز ہے جسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہی، پیٹ کا درد، قبض، نفخ، ریاح کا پیدا ہونا، سوء ہضم دستوں کا آنا سب تکلیفات اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہی کیسا ہی شدید درد پیٹ میں ہو ایک چٹکی کھا لینے سے جاتا رہتا ہی ۔ قیمت فی ڈبہ ۵ تولہ (عمر) علاوہ محصول ۔

منجن ۔ اسکی ادنےٰ خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہیں ۔ قیمت فی ڈبہ ۵ تولہ (عمر) علاوہ محصول ۔

نوٹ ۔ سب چیزیں منگانیوالوں کو محصول ڈاک معاف ۔

م ۔ بیگم ۔ نمبر ۴۲ ۔ نظیر آباد لکھنؤ

مولانا شبلی

- سیرۃ النبی جلد اول عہ
- " دوم صہ
- " سوم صہ
- الفاروق
- سیرۃ النعمان
- الغزالی
- المامون
- سوانح مولانا روم
- سفرنامہ مصر و شام
- علم الکلام
- الکلام
- رسائل شبلی
- مقالات شبلی عہ
- شعر العجم جلد اول
- " دوم
- " سوم
- " چہارم
- " پنجم
- موازنہ انیس و دبیر
- مضامین عالمگیر
- آغاز اسلام
- کلیات فارسی شبلی
- کلام شبلی اردو

رتن ناتھ سرشار

- سیر کہسار
- خدائی فوجدار
- جام سرشار
- الف لیلہ بطرز ناول
- کامنی

- سوانح عمرو عیار

منشی سجاد حسین مرحوم

- احمق الذی ۸ر
- حاجی بغلول ۸ر
- پیاری دنیا ۸ر
- کایا پلٹ ۸ر
- میٹھی چھری ۶ر
- طرحدار لونڈی عہ
- طلسمی فانوس

جوالا پرشاد برق

- مرنالنی ۱۰ر
- مار آستین ۱۰ر
- بنگالی دولہن ۱۲ر
- معشوقۂ فرنگ
- پرتاپ ۱۲ر
- روہنی ۱۰ر

مولانا شرر مرحوم

- جنید بغدادی عہ
- ملکۂ زنوبیہ
- قرۃ العین
- محذرات
- جویائے حق للعہ
- لعبت چین عہ
- فاتح و مفتوح
- بابک خرمی
- الفانسو ۱۲ر
- ایام عرب
- قیس و لبنیٰ
- یوسف و نجمہ
- زوال بغداد

- مینا بازار عہ
- مقدس نازنین
- رومۃ الکبریٰ
- فلپانا
- شوقین ملکہ
- منصور موہنا ۸ر
- حسن انجلینا ۸ر
- ملک العزیز ورجنا ۱۲ر
- فردوس برین ۸ر
- حسن کا ڈاکو
- دربار حرام پور ۱۰ر
- غیب داں دولہن عہ
- بدر النساء کی مصیبت
- میوۂ تلخ ۸ر
- نیکی کا پھل ۱۲ر

شوق قدوائی

- ترانۂ شوق
- قاسم و زہرہ
- نیرنگ جمال

ظفر عمر بی اے

- چوروں کا کلب ۹ر
- نیلی چھتری
- بہرام کی گرفتاری عہ

دلچسپ تاریخی و جاسوسی ناول

- شعلۂ رنگین ۸ر
- محاصرۂ پیرس عہ
- شیخ چلی
- بہرام کی واپسی
- انقلاب فرانس
- حسن بنارس ۸ر

- فطرتی جاسوس
- ترکی حرم سرا ۸ر
- جنگ طرابلس ۸ر
- بہرام چور
- زر پرست
- گنجی کا راز
- عبدالرحمن ناصر
- عروس عصر
- سیلاب خون
- سیاحت زمین
- سیاحت ہوا
- نازنین مراکش ۸ر
- سمندر کی سیر
- اسرار بالشویزم
- عروج لیلیٰ
- امین بیگ
- حجاج بن یوسف
- یوسف پاشا
- انقلاب عثمانی
- بہرام کی رہائی
- بہرام کی آزادی ۱۲ر
- بہرام کی سرگذشت
- لال کنور
- پراسرار قتل

ادبی کتابیں

- مکمل شرح دیوان غالب
- بزم خیال
- شاطر سخن
- انشائے نسواں ۶ر
- مکاتیب محسن الملک

- لیلیٰ مجنوں ڈراما ۸ر

مراثی

- مراثی دبیر
- مراثی انیس
- مراثی ضمیر
- مراثی مونس
- مراثی دلگیر

تذکرۃ الشعراء

- تذکرۂ حسینی ۱۱ر
- گلشن ۱۰ر
- سراپائے سخن عہ
- سوانح نظیر اکبرآبادی

دواوین فارسی

- دیوان شمس تبریز
- کلیات عراقی ۱۲ر
- دیوان حافظ
- دیوان بیدل
- دیوان عرفی ۱۲ر
- کلیات جامی
- کلیات غالب
- کلیات صائب
- دیوان ناصر علی
- کلیات سعدی
- کلیات حزیں
- دیوان عنصری
- دیوان غنی کشمیری ۶ر
- دیوان ہلالی عہ

دواوین اردو

- کلیات ظفر
- کلیات مومن عہ

- دیوان ناسخ عہ
- کلیات میر
- کلیات سودا
- کلیات انشا
- کلیات نظیر اکبرآبادی عہ
- گلزار داغ
- دیوان رند ۹ر
- دیوان ذوق ۱۲ر
- کلیات اسمٰعیل
- مراۃ الغیب عہ
- صنم عشق
- فریاد داغ
- دیوان قائم ۸ر
- دیوان شہیدی ۴ر

عجائب و غرائب

- عجائب المخلوقات
- تصویر رنگین
- " بے تصویر سادہ للعہ
- مجمع الفنون
- طلسم فرنگ
- کارخانۂ عالم

رینالڈز کے ناولوں کے ترجمے

- الہ دین و لیلیٰ
- فریب حسن
- سوز عشق
- دوزخ المیٹ
- ناول اسرار
- شام جوانی
- طلسمی فانوس

نگار بک ایجنسی نظیرآباد لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۰۴

ذیل کی کتابیں نگار بک ایجنسی سے طلب فرمائیے

ایشین بک خدیو مصر محمد علی پاشا کے

امیر المومنین عبدالرحمن ناصر اور اُن کے بیٹوں کی معرکہ آرائیاں

عروس مصر تیسری صدی ہجری کے مصری اسلامی واقعات از مناظر

نازنین مراکش ۸/

اخترالنساء ایک جاہل بد مزاج ساس کے مظالم

عیار فقیر

حیرت انگیز شہر قیمت

حجاج بن یوسف

داستان

نیلی چھتری قیمت

خوبی سخن قیمت

بہرام کی رہائی قیمت

بہرام کی گرفتاری مصور

بہرام کی واپسی قیمت

محسن الملک

مضمون نگار قیمت ۲/

مشاہدہ حقیقت

اجتماع ضدین قیمت

خدا اور اس کی ہستی خدا کی ہستی کا ثبوت قیمت

انقلاب عثمانی جرجی زیدان کے مشہور تاریخی ناول کا ترجمہ

علم الاخلاق قیمت

احرار اسلام

مشاہیر ہند

نابینا علماء

سوراج قیمت

مرقع ادب دو حصے ہر ہر فقرہ موتی کی لڑی

درس حیات

عفت مسلمات

خاتون جنت قیمت

ازواج الانبیاء حضرات انبیاء کرام کی شریک بیبیوں کے حالات

عمر بن عبدالعزیز

محاصرہ پیرس ہفت سالہ جنگ

شوکت آرا بیگم قیمت

تہذیب نسواں

بیوی کی تربیت

مخدرات

حیات ابدی

اسلامی تہذیب

سبق آموز

اقبال

بیگمات بنگال بنگال کی بیگمات کا مستند تذکرہ قیمت

ربیع الخیال قیمت ۱۲/

نظام حیات انسانی انسانی زندگی کا دستورالعمل قیمت

مختارات الصوفیہ کس پیر کا ہاتھ پکڑنا چاہئے تصوف کسے کہتے ہیں قیمت

منیجر رسالہ "نگار" نظیر آباد لکھنؤ

2577

50/78

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय
इलाहाबाद

वर्ग संख्या..........

पुस्तक संख्या..........

क्रम संख्या.....३२८४.....